Haz-e-yan-e-Man

ہزیان من

Afat Ki Ap Beeti

To be Continued ....

Limited Edition

ہم کون ہیں

31 مارچ، 2011
قسم: میری زندگی



کبھی ہم سوچتے ہیں کہ ہم کون ہیں، اس دھرتی سے ہمارا کیا رشتہ ہے، ان لوگوں سے ہمارا کیا رشتہ ہے ایک رشتہ سراب کا اٹھتی ڈوبتی لہروں کے مدو جذر پر پھیلی ہوئی تنہائی کے یہ بےکراں سائے، اس پر چل چلاتی دھوپ، سارے زخم نمک پاش ہو جاتے ہیں، ہستی بے ہستی ہو جاتی ہے، یادوں کے اژدہام ، ہمیں اپنی آغوش میں لے لیتے ہیں، اور ہم سوچتے ہی رہ جاتے ہیں کہ ہم کون ہیں؟ ہماری سلگتی ہوئی روح تڑپتی رہتی ہے، اور سائے---- اس چل چلاتی دھوپ میں، ننگے پاؤں ، کانٹوں پر چلتے ہوئے، زندگی ہمیں کرچی کرچی کر دیتی ہے،

صد افسوس اعتبار کا اعتبار اٹھ گیا ہے،

اب رخت سفر اس امید پر، کہ وہ آخری منزل ہو گی،
پر منزلیں ختم نہ ہونگی، ہر منزل اک نئی منزل ہو گی۔

کہاں سے شروع کریں اپنے بارے میں؟ یہ سوچ سوچ کر سوچتے ہی رہ جاتے ہیں، آج ہم جس مقام پر ہیں وہ قابل رشک تو نہیں، پر اتنا برا بھی نہیں،

آلام روز گار کو آسان بنا دیا

جو غم تھا اسے غم جاناں بنا دیا

دل ویران ہے، تیری یاد ہے، تنہائی ہے،
زندگی درد کے ہاتھوں میں سمٹ آئی ہے۔

زندگی اور موت کی کشمکش ، ساری زندگی چلتی ہے،
آخر زندگی ہار جاتی ہے، موت کو دوام ہے، کچھ ہی ہیں، جو
موت کے منہ سے لوٹے ہیں، زخمی زخمی میرا دل، اب کسی
آئینے کی مانند چمکتا ہے، زیست کی کتھا، گہرائیوں سے، جو
موج ملی، وہ ہم نے یوں سنبھالی جیسے کہ آبگینہ

کافی سوچ بچار کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہم ہم ہی ہیں حالانکہ جب سے دنیا وجود میں آئی ہے یہ مسئلہ کہ ہم کون ہیں بڑے بڑے فلاسفروں سے سائنس دانوں سے آج تک حل نہیں ہو سکا۔ ہماری تاریخ پیدائش وہی ہے جو کہ میونسپلٹی کے سرٹیفیکیٹ اور ہمارے میٹرک کے سرٹیفیکیٹ پر لکھی ہے ،اس کے مستند ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ہماری والدہ اور والد صاحب نے بھی اس کی تصدیق کی ہے اور ہمارے گھر والے بھی کبھی ہماری سالگرہ اسی تاریخ کو مناتے تھے ۔ تو ہمارے پاس اس پر یقین نہ کرنے کا کوئی جواز نہیں ۔ ہماری تعلیم بس واجبی سی ہے ، ہاں عبداللہ اسٹور کے ساتھ جو کھوکھا لائبریری تھی اس کا مالک اس بات کی تصدیق کر دے گا کہ کسی زمانے میں ہمارے پڑھنے کی رفتار کافی تھی ،بلکہ کافی تیز رفتار تھی ،ایک ہی دن میں ہم اکثر پانچ سے سات پورے 400 صفحات تک نئے ناول ،خاص طور پر جاسوسی ناول نگل جاتے تھے ۔ساری کی ساری عمران سیریز اور حمیدی فریدی سیریز پڑھی ہوئی ہیں ۔ اس کے علاوہ سب رنگ ڈائجسٹ ،جاسوسی ڈائجسٹ وغیرہ بھی پڑھے ہوئے ہیں ،گو اب اتنی دلچسپی نہیں رہی۔

عملی تعلیم ہم نے نایاب سینما میں فلموں کی لائن میں لگ کر حاصل کرنا شروع کی اور اتنی جانی پہچان تھی کہ ٹڈے پہلوان نے اپنے مکرانی لفنڑوں سے کہہ دیا تھا کہ ان کا اگر ہمارے سے کوئی پنگا ہوا تو وہ بیچ میں نہیں آئے گا۔ اسکول کے زمانے میں اکثر آوارہ گردی کرتے ہوئے پائے جاتے تھے مگر جانے کیسے فرسٹ ڈویژن میں پاس ہو گئے ۔مزید علمی کارنامے ہم اپنے بتانا نہیں چاہتے ،کیونکہ یہ ہماری آپ بیتی ہے ۔ ہماری علمی قابلیت کے قصیدے نہیں ،ہمیں اپنی آپ بیتی لکھنے کا خیال تو کافی عرصے سے آئے ہوئے تھا ۔ آخر بڑے بڑے لوگ اپنی آپ بیتی لکھ سکتے ہیں ، تو ہم جیسے کیوں

نہیں - ہم نے اپنی پہلی آپ بیتی پر تباع آزمائی ORKUTپر کی تھی ،اکیلے چلے تھے ،کافی لوگ جانے کیسے جمع ہو گئے ،سو حوصلہ پکڑا اور اس کو یہاں منتقل کرنے کا سوچا - ہماری آپ بیتی میں کوئی خاص بات نہیں ،کوئی کارنامے شارنامے نہیں ،کوئی انہونی اور منفرد باتیں نہیں ،ہم نے کسی بھی شہرت کی کوئی بھی بلندی کو نہیں چھوا ، نہ ہی ہم نے ساری زندگی کوئی بڑا کام کیا، نہ ہی ہم کوئی نامور شخصیت ہیں ، نہ ہی ہمارا کسی نامور شخصیت سے کوئی گہرا تعلق رہا ، ہاں دو چار عظیم شخصیت سے ہاتھ ضرور ملا یا ہوا ہے - سو ہماری آپ بیتی میں کوئی بھی خاص بات نہیں اور یہی اس کی خاص بات ہے - بس آخر میں اتنا کہیں گے :

ہم نے جو کہا وہ تم نے سن کر بھی نہیں سنا ،
پر یہ تیرا نہ سننا، ہے کیوں ہم کو یہ ہے پتہ۔

مکتبہ پراسرار پبلشرز

محدود ایڈیشن

باراول جنوری2024

قیمت بہت مناسب

مبلغ صرف   روپیہ سکہ رائج الوقت مطابق بینک دولت حکومت پاکستان

تمہید

یہ سب ہم کیوں لکھ رہے ہیں ۔۔؟

اسلیے کہ ہمیں ایک ڈاکٹر نے کہا تھا

وہ 13 اگست2001 تھا جس دن ہم مر گیے سوات میں ایک بم بلا سٹ نے ہمیں موت کا زایقہ چکھا یا ۔ پھر عالم برزخ سے دھتکار دیے گئے اک عرصہ جانکنی کے عالم میں زات کے آبگینے میں بند ہو رہے

پھر ایک ڈاکٹر نے کہا لکھو کچھ بھی لکھو ۔سو ہم نے لکھا ایسے ہی ہزیان بے ربط اور منتشر منتشرغالبا 2005 یا 2006 ایک سانیٹ ہوتی تھی چوک کے نام سے مگر وہ بند ھو گی

پھر 2010یا 2011 ہم نے ورڈ پریس اور بلاگ سپاٹ پر منتقل کیا

اب 2024 میں سوچا کہ اسکو کتابی شکل دے دیں سو کوشش کی ہے

اچھی یا بری جیسی بھی ہے ایسی ہی ہی برداشت کریں

دیباچہ

از شکیل حیدر جعفری
ڈائریکٹر آرٹ کونسل آف پاکستان
سابقہ ایگزیکٹو ڈائریکٹر دی سیکنڈ فلور
سابقہ سی ای او پورٹ گرینڈ

آفت کی آپ بیتی

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ یہ آپ بیتی واقعی آفت کی طرح آتی اور گزر جاتی۔ لیکن اس آپ بیتی کا انتہائی منفرد انداز اور انتہا کا ٹھہراؤ اور گھمبیرتا تادیر قاری کو اس سحر میں مبتلا رکھتے ہیں۔ کونسے قاری کو؟ کیا ہر ایک قاری کو۔ شاید نہیں مگر اس کو جو اس آفت کو قریب سے جانتا ہو۔ اس کو جو اس آفت کی قیامت خیز زندگی سے اس کے ٹھہراؤ تک سے شناسا ہو۔ بالکل ایسے جیسے ہمالے کے پگھلتے پہاڑوں سے اترتے تیز رفتار دریا کے ساتھ طویل سفر طے کر کے سندھ کے میدانی علاقوں میں اس کے پھیلاؤ اور ٹھہراؤ تک کے حالات واقعات اور اثرات کا شاہد ہو۔ اور اس طویل سفر میں ہیجان سے سکوت تک کے اتار چڑھاؤ اور ان کی وجوہات سے بخوبی واقف ہو۔ آفت کی زندگی میں ترتیب تو پہلے بھی کبھی نہ تھی۔ شوخیاں۔ شرارتیں۔ چلبلا پن اور تحریک اور تنوع اس کی شخصیت کے اہم پہلو تھے صورت خورشید ادھر ڈوبے ادھر نکلے کے مصداق ہنگامہ خیزیاں اس کی زندگی کا حصہ رہے۔ پھر حوادث زمانہ نے اپنے تماشے دکھائے تو بپھرتا دریا ٹھہر گیا۔ اس ٹھہراؤ نے تدبر اور سنجیدگی کو آواز لگائی تو ادراک ہوا کہ زندگی کی حقیقتیں وادی سوات جیسی حسین کب ہیں۔ حقائق کے کڑوے گھونٹ جب زیست کے حلق سے نیچے اترے تو پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ اپنے پرائے کے رویوں سے مکمل آگہی مل چکی تھی۔ بیرونی اثرات کے سانپوں کی ڈسی یہ بے ضرری شخصیت اندرونی خلفشار کا شکار ہوئی مگر زندگی بھر مثبت سوچ کے ساتھ جینے والے نے اس خلفشار کی نفی کا مثبت طریقہ نکالا

ڈسی یہ بے ضرری شخصیت اندرونی خلفشار کا شکار ہوئی مگر زندگی بھر مثبت سوچ کے ساتھ جینے والے نے اس خلفشار کی نفی کا مثبت طریقہ نکالا اور زبان کے بجائے قلم کو ذریعہ اظہار بنالیا۔آفت کی بے ترتیب آپ بیتی کبھی لہجہ بدلتی ہے تو کبھی انداز۔حد تو یہ ہے کہ میڈیم بھی تبدیل کرلیتی ہے۔ثبات صرف تغیر کو ہے زمانے میں۔اس آپ بیتی میں مختلف ذہنی کیفیات کے دوران لکھے گئے چھوٹے بڑے بلاگ۔اردو انگریزی کی نظمیں ایک بے قاعدہ ادیب کے نثر پارے جیسا ہے جہاں کی بنیاد پر اپنی جگہ بناتے گئے۔دکھوں کا سمندر اپنے اندر لئے ہوئے ہمارے دوست نے مزاح نگاری کی بھی سنجیدہ کوشش کی اور کہیں کہیں کامیاب بھی ہوئے جس کی جھلکیاں ہاکی یا کرکٹ اور دادی مرحومہ کے عنوان سے لکھے گئے مضامین میں نظر آتی ہیں۔کرکٹ کے کھیل سے دلچسپی اس کھیل سے متعلق تذکروں کے باعث نظر آتی ہے جامعہ کراچی اور کلاس فیلوز کا تذکرہ بھی آفت کی زندگی کا اثاثہ نظر آتے ہیں۔ ہماری زندگی کا معمہ کے عنوان سے لکھے گئے مضمون میں کچھ تکلیف دہ معاملات رشتے ناتوں کے حوالے سے نظر آتے ہیں تو کچھ اچھے جانے انجانے دوستوں اور انسانوں کی صورت درد کا درماں ہوتا دکھائی دیتا ہے۔آپ بیتی کو طویل ترین مضمون ایک سفر کے عنوان سے ہے۔اس سفر کی داستان میں آفت کی آفت خیزیاں اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہیں۔اور پھر زندگی تو خود ایک سفر ہے نا۔علم دین اور علم دین کا المیہ کے عنوان کے تحت لکھی گئی تحریریں جو پانچ الگ الگ مضامین کی شکل میں آفت کی آپ بیتی کا حصہ ہیں وہی اس آپ بیتی کا خلاصہ بھی ہیں اور یہاں آفت اور علم دین میں تفریق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔جیسا کہ میں نے آغاز میں عرض کیا کہ یہ ایک منفرد کتاب ہے میرے زیر مطالعہ اس طرح کی آپ بیتی اس سے قبل کبھی نہیں آئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ آفت کی آپ بیتی کو ادبی اعتبار سے کس سطح کس معیار اور کس خانے میں فٹ کیا جانا چاہئے۔مگر میں اس آپ بیتی کے اثر میں اس کا مطالعہ کرنے کے بعد ابھی تک ہوں۔ میں بھی ان قارئین میں شامل ہوں جو آفت کی زندگی میں خاص طور پر زمانہ طالب علمی میں اس سے بہت قریب رہا ہوں اور یہ قربت آج تک محسوس کرتا ہوں

شکیل حیدر جعفری

3 Feb 2024

Index فہرست

Index فہرست

Index فہرست

Sno	Title	PAGE Number

Random Musing

Don't Interrupt my Train of thoughts
But let me know when it comes to a station

The Deafening Silence

Categories: Observations on Life

Once you are alone with yourself. No one is near to you. You are sitting all alone in a crowded room full of strangers, acquaintance’s, passersby and what not. It’s a small now nearly lost Iranian Tea House,



just opposite Syed Manzil or is it not Iranian anymore...??

I looked around …on the traditional counter the man was certainly not Irani, some local but the tea, it still had remnants of Old Irani aroma, the half-cuttings, the cuttings, the pepper mint…. No, they were not there, But the rounded sweet Jars were…behind the counters were stacks of Biscuits, 50:50, Zeera plus, and some unknown brand of coca-nut flavor and what that…? In the Lime light were Packets of Sathi, a lost cause for the massive Population Welfare Department., They say they have somehow dragged the population growth rate from 3.1 to 2.9 percent. Bangladesh had brought it down to about 1.8 in less time…

The Old radio …or was it a tape recorder was blurting out an old Lata’s Goldie’s….

It seemed strange at a place, so noisy, and full to hear a so song…. One cannot even hear what was she singing…. Just a tune and sweet crooning was all one could hear.

… On the Next table with a marble top, they still have those Marble top small tables with four trademark chairs once familiar in all the Iranian Hotels in Karachi, A beggar sat down with a thud, the Bar Wala Boy pounced on him…. But he curtly ordered a tea and some biscuits. The Bar Wala boy … cursing him silently …went away to get his tea and biscuits… and within a jiffy came back… and nearly threw the stu at him.

The beggar non- nonchalantly ignored his misconduct as if he is used to such a behavior and spurred his tea… Spurred…? What is spurred…. one might ask…. well, if you pour your tea

in the plate and then try to drink in with lips closed… you will make a spurring Noise…. Spur…slurpppppp…slurpppp…. slurpppp and within minutes he poured the whole hot content into his egger empty belly….and biscuits he put them in his Alms’ bowl ….and howled for the Bar Wala Boy Again…. as if he is in too hurry….

Bar Boy…. Gestured him to go to the counter….and hollered…. Chey Rupeeya…. (6 Rs) the beggar dragged himself unto the counter…. with an innocent look as if to ask for alms.



Then from within his Sudri…. (A small piece with pocket in it) took out a bundle of Notes… all Rs 1000, 500, many of Rs 100, and Rs50, they must be of more than… Rs 10,000 in denomination…. took out an Old checkered Rs 10 … and placed it onto the counter …the manager took hold of the Rs 10 Note…speculated on it…and then poured out some coins in the plate…. But by then …the beggar was gone …waving his Hand ….and pointing to the Bar Wala Boy…. as if asking him to collect his tip from there………. And again, I was engulfed by the deafening silence of self. In the crowded room full with strangers, passersby, acquaintances…. A Bus blurted its Horn somewhere on the road….

… And the Life moved on……leaving me all alone again….

Note: that hotel is no More, it has been demolished, perhaps for another ugly Plaza

The Essence of Centuries



Have you ever wondered, why it's the older people who tell stories and legends…?? My grandfather used to tell me stories, me while sitting in his lap, of all the world, ..it's another matter I don't remember much of those stories and legends…

Have you ever wondered , why children are so interested in those stories….??
there was a time , when this was a tradition , Older folks would tell stories to children ….and thus transfer the wisdom , accumulated over ages to them….
the accumulated essence of knowledge and wisdom was thus transferred to the new generation.
Now media and its sources have taken over this Job., for example TV … it's a torrent of information , but then it merely transfers the information , not the wisdom , because to transfer wisdom ….. a soul has to connect with another soul.
what the Old Soul …transferred to the young New Soul …it transferred the SOUL itself, the essence …. it does not happen now.
centuries are now mere moments, but then [the essence of those centuries] …. it's not there.
But then evolution is about to have another quantum change, a change in the level of human consciousness is about to happen, from the individual to the collective ….
Millions are now connected to each other, through a system without being even aware of others existence [properly aware] …. in front of our/your computer screen …. connected to each other …. but strangers…
Note: this is a crude translation of one of my iLogs....elsewhere.

PS: This was first published on

Friday, January 22, 2010

Friends Friends Friends …who needs an enemy...!!

March 9, 2011

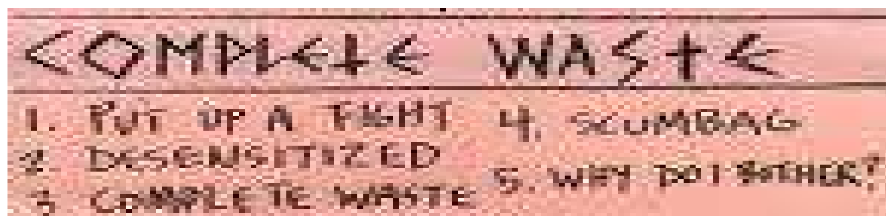
Categories: Observations on Life

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز

دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا۔

Its old, but gold. and they say" A friend in need is a friend indeed" ………. I thought it would be true., but then I found nearly every friend of mine" In NEED" ………and I kept on doing" DEED" .but then , Once I was " In NEED " and then I experienced the "Vanishing Creed ".they were all still " In Need "

I thank Mr. Faraz for his gem of a wisdom, …to continue I will now buy a packet of" Joshanda " from the Pansari …and have it with a hot cup of Tea. for the last four five days, I was feeling …………Aahhhh…. somewhat great., …Maybe I will have to eat Papaya Leaves…think it's the best remedy for Dengue fever …Otherwise I don't have resources for the platelets.



My First Business

March 10, 2011
Categories: About



ہم نے جو سب سے پہلا کاروبار کیا وہ مینڈک کا تھا۔ ہوا یوں کہ جب ہم ساتویں میں تھے، تو ایک دفعہ بہت زور کی بارش ہوئیں۔

ہمارے محلے میں ایک پلاٹ تھا جو کہ خالی تھا، اور سڑک سے تھوڑا نیچے بھی، تو اس میں کافی سارا پانی جمع ہو گیا، ہم محلے کے لڑکوں کو تو ایک سوئمنگ پول مل گیا، ہمیں بھی شوق چڑھا، اور ہم بھی باقاعدگی سے وہاں جانے لگے، کیوں کہ برسات کا موسم تھا، دھوپ بھی کم نکلتی تھی، اور ہر وقت بادل بھی آئے رہتے تھے، تو اس پلاٹ کے سوئمنگ پول میں پانی بھی بھرا ہی رہتا تھا۔

ہمارے تو سینے تک آتا تھا، کافی تھا، وہاں سے ہم نے ہاتھ پاؤں مارنا بھی سیکھا، ایک دفعہ ہم سوئمنگ کرتے ہوئے ذرا کم گہرے پانی میں گئے تو وہاں ہمیں ایک مینڈک دکھا، ہم نے اس کو پکڑ لیا، اور اگلے دن ایک شاپر میں ڈال کر اسکول لے گئے، تاکہ دوستوں کو اپنا نیا پالتو جانور دکھا سکیں، اس دن سارا دن اسکول میں ہم اور ہمارا مینڈک موضوع گفتگو بنا رہا، ہمارا بھی سینا فخر سے پھولا رہا کہ کسی کے پاس مینڈک نہیں تھا۔ بریک میں تو ہمارے ارد گرد جھمکٹا ہی لگا رہا، ہر کوئی ہمیں اور ہمارے مینڈک کو دیکھنے آرہا تھا، اور ہم راجا بنے ہوئے تھے۔

خیر بریک کے بعد چاچا شر فو ہمارے پاس آئے، وہ اسکول کی لیبارٹری میں ہوتے تھے، ان کے فرائض میں نویں کے طالبعلموں کے لئے مینڈک مہیا کرنا بھی تھا۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ ہم یہ مینڈک اس کو آٹھ آنے میں بیچ دیں، پہلے تو ہم نہ مانے پر پھر انہوں نے اس کا ریٹ بارہ آنے کیا تو ہم نے سوچا کہ سوئمنگ پول میں اور بھی مینڈک ہونگے، مفت کے بارہ آنے آئیں گے تو ہم امیر ہو جائیں گے۔ تو ہم نے ان کو وہ مینڈک بیچ دیا، اور شام کو سوئمنگ پول خاص طور پر مینڈک پکڑنے گئے، قسمت سے اس دن ہم نے تین مینڈک اور مل گئے۔



ہم وہ تینوں مینڈک لے کر اگلے دن پھر اسکول گئے، شر فو چاچا نے دو تو بارہ بارہ آنے کے ہی خریدے اور ایک کے آٹھ آنے دیئے، کیوں کہ وہ تھوڑا چھوٹا تھا۔

پھر ہم سے کہنے لگے کہ آئندہ مینڈک ان کی ڈیمانڈ پر ہی لایا کریں۔

اور یوں ہم نے مینڈکوں کا کاروبار شروع کر دیا، پر ہمارے اسکول میں کیوں کہ میڈیکل کے صرف 12 سے 14 ہی بچے تھے، لہذا 15 سے 20 مینڈک ہی بیچ سکے۔

شر فو چاچا نے ایک اور اسکول سے بھی آرڈر پکڑا، اور اس میں ہم نے کوئی 25 سے 30 مینڈک بیچے، اور کوئی 14 یا 15 روپے کمائے۔



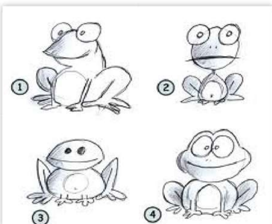
پھر ایک دن ہمیں مس نور نے مینڈک بیچتے ہوئے پکڑ لیا، بہت ڈانٹا کہ آپ اسکول پڑھنے آتے ہیں یا مینڈک بیچنے۔ پھر ہمیں سمجھایا کہ ان میں بعض زہریلے بھی ہو سکتے ہیں اور نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔

پہلے تو ہم نہ مانے، پھر ایک دفعہ مینڈک پکڑتے ہوئے ہمارا ہاتھ کسی نوکیلی چیز پر لگا، اور انگلی کافی سوج گئی، اور کافی دنوں تک سوجھی رہی، بلکہ ڈاکٹر کے پاس گئے تو اس نے اس پر جو دوائی دی، وہ بھی کافی تیز اور جلانے والی تھی۔

اس سے ہمارے دماغ میں یہ راسخ ہو گیا کہ کسی زہریلے مینڈک نے کاٹ لیا ہے، اور یوں ہم نے اس کاروبار سے توبہ کی۔

حالانکہ بعد میں شر فو چاچا نے ریٹ بڑھانے کی بھی لالچ دی، اور پورا ایک روپیہ دینے کا بھی بولا، یہ اور بات ہے کہ وہ خود اس کو دو روپیہ کا بیچتے تھے، پر ہم نہ مانے۔

آگے جانے وہ مینڈک کی سپلائی کہاں سے لاتے تھے، پر ہم باز آ چکے تھے۔



The Pink Pajero



His Pink Pajero cruised along leisurely with mobile phone in his hand gummed to his ear. He was not looking anywhere but enjoying the abandoned pleasure of the intoxicating Power, Money, and Glory. And his "Pink Pajero"

A small Suzuki blurted a horn asking. no pleading to let it through with a nonchalant glance, he felt pity and gave a little room, Suzuki squeezed herself barely avoiding hitting the footpath and trundled along.

He had a hearty laugh. Now where am I he thought….? Just before Bundu Khan on Dubai Chowk Lahore.

Damn it… I will have to turn a whole 20 more yards to go to the Flats… he thought…. Are you still there….?? A sweet voice asked from the cell phone which was still glued to his ear. Yes, yes, I am still here wait I will be coming in the evening. Ha ha ha… he replied back on the phone…

Just round the corner …on the right was Rahim Store… his Pink Pajero kept on cruising… and with one hand on the steering and the other glued to his ear…. He laughed once again at something that entered his ears.

The Old Man wanted to cross the Road, his granddaughter just 10 year was with him…

Damn the No 3 wagon… again it stopped just in front of him blocking his view, and he again could not cross over.

He was on his way back to his home brought some stuff from Rahim Store and how wanted to get back quickly… the little girl was anxious too… she too did not like the overcrowded semi bus stop .. Environment around…

… Kababchi at the Bundo Khan… wearily…. kept waving the hand fan on the Kebabs …placed on the grill…. he eyed the Pink Pajero with a wishful thought in his eyes…… and reverted back to the kebabs…

.. Suddenly the Little girl shrieked…. she fell down with a thud….and started crying…. Although the impact was not much…. Just a little touch…. But it scared her… it scared the hell out of her…. Her grandfather too. went into a shock….

The Pink Pajero…. in order to go to the Flats has turned right…. the wrong way…. Instead of going the proper way…. to the left and then just 20 yards or so…to the opening so that it could have turned properly
But…. The intoxication of Power, Money, Greed, and best of all a New Pink Pajero was too much… and what the hell about the road rules and road safety…. what's wrong in going the wrong direction… to reach a minute or two early……. since the speed was slow…. just crawling… so it did not do much harm
Just a little nudge to the little girl…… and that stupid blind girl can't she See that "MY Pink Pajero" is coming…… cursed the Fat White Salwar Kamiz …. Kalf Laga Huwa…. Goon looking Seth…. wearing black colored glasses……the proud owner of the "Pink Pajero…."

… Suddenly…. crowd gathered along his Pink Pajero……What the Hell…?? Why are they all around my Pink Pajero…...? Damn it…… I will have to shut down the cell phone…. …these ignorant blubs….can't they see its "ME and My" New Pink Pajero"…

The little girl kept on crying… now the crowd was all around them…. no one coming near …. But murmuring something… may be cursing the Pink Pajero Wala…. or the Old Man and the Child….But it was not their fault….. They were looking the right way…... It was the Pink Pajero…. which came from behind…. the wrong way.

After a couple of Minutes…. the Proud Driver of "The Pink Pajero…." opened the door….and stepped down from his "Pink Pajero" …. A cursory glance over the crowd….and then at the crying girl……. he could not understand why she was crying……
Then just to make sure…. He came forward…. Looked at the Bumper of his Pink Pajero……found no scratch…. on it… heaved a sigh of relieve……So there is no dent on the bumper of "My Pink Pajero" ….and its Ok…. But why are these moron…all around me…

He put back his mobile……looked around for any intelligent face….and asked….

"Kee Hooyaaa…….(What happened?!).""

And the man he was



I watched him daily, every morning when I would have my breakfast at Quetta Talash Hotel, he would come on his Suzuki filled with 10-12 beggars — after unloading them ,for half an hour it would be like a Fish Market , Beggars yelling at each other and him and he yelling back at them , using the choicest expletives for them .

Then all the beggars would disperse, and he would come to the Quetta Talash Hotel, and have a cup of tea usually silently and go.

Today unusually he looked at me and looked at my "Bun Mukhan" , yelled …. "Chootay aik Bun Mukhan bhee laa…. "Then had a deep observatory look at me, weighing me, judging me , and considering me , then with a squat in his eyes…. Bluntly started ….

"The house rent is 8000, electricity bill 2000-2500 , Gas 1500-1800 , I have 20-22 machines , some left over , some too weak , some nearly insane , some rejected by their relatives , then paused and said again even sons and daughter have thrown them out , 5-6 of them are blinds, 8-10 disabled ,and the remaining good for nothing .

Then after another silence of three four minutes, I too have a family of 5, …then there are 4 others, each of them has families …. we too have expenses … These machines, they bring 3000-3500 per day, all 20-22 of them, some bring less, some more, then he again fell silent, …….and after a while continued ………. I wanted my child to be educated …… he had an accident, and now he too sits with them……. Brings 400-500 daily now, I am a father, it hurts me …. but that's how life is. …. then again raised his eyes, …………and looked deeply in mine, and continued, …. People think we are cruel, we exploit, …. we earn from them…. but look at them, they are all rejects, no one is willing to even touch them …. even look at them.
We give them, a roof to sleep at night, we give them food, we give them cloths, we keep them safe from other hooligans, …. from Police …. from other gangs, we treat them when they are ill, bury them when any one of them die …….and in return, they extract sympathy money from the society for themselves, for us ………… Is that a bad bargain ….??
The whole world is a market, you pay …you earn, some time you pay with your blood, and in return earn nothing but bad name …. This is how we are …. And…………Left.

………. I was left speechless, a volcano erupted inside me, a torrent of conflicting emotions, …….an explosion ……….and it swept away all my

morality, I kept wondering who is cruel and who is kind, are they doing injustice …? exploiting or …what …?

Then I did not saw him for days…. Some other guy, in the same Suzuki was doing his job ………. Then one day I saw him again, again doing the same …. The same yelling the same expletives hurled at beggars …. whom he called his machines, then he again came to the Quetaa Talash hotel, sat at the same chair ……looked again at me eating the same Bun Makhan…….. But it seemed he had not recognized me .. there was the look of a stranger ………. I wanted to ask him something ,…..about his child ,his own child , ….who was now working as his machine…… but with that stranger look in his eyes……… I could not. And today …. without even drinking my tea, ……. I stood up and left…. Empty minded, ……filled with a hollow feeling …….an unexplainable feeling for feeling helpless … a conflicting feeling……a feeling which I could not name…. a guilt that kept lingering with me …. for weeks.

PS : its a crude translation with some changes from one of my own iLogs…..published elsewhere…

And the man he was Part 2



I met him once again, same place same time ………he was the same, the same cursing and a slap or two to his Machines….

he came to the same Table, and cursing loudly asked for his tea …. then he looked around, saw me sitting ………. a glimmer or knowing someone sparked for a moment, then it went to the same stony look …

After having a sip or two from his cup ………he looked up and said….” do you think I am cruel ….?

I remained silent. he then waived to his Machines ….and said no I am not ………...do you know it’s their own parents…...!!

then after a pause said, do you know they” Rent” them out …. it’s their way of earning………. that’s why they breed them like rabbits…mostly South Punjab

Father will use the mother .and every year she will churn out a boy or a girl. then after 6-7 years, father will start” Renting” out the.” fruit of his loin “……….to some Seth …. every year he will go and collect Advance on his child ……. the more the children, the more he can “Rent” out…

Eid’s, Bakra Eid’s, and Ramzan’s are the seasons, ………he will rent them out to US …. on a daily, weekly ………and monthly basis.

how much we earn from them, is our business………and he will be busy ……riding his wife to produce One more ……girl or boy does not matter….

and that's how and why they even send them to the Sheikh's Kingdoms…Camel Jokey you know…...2 – 3 years of windfall…...and a crippled child back…….to be rented to us from the next season.

kept silent, kept looking at him empty headed then I remembered. he had a son too. which he is using as a" machine" now. But could not muster enough courage to ask him about him.

………I Just stood up and walked away. I felt his piercing eyes on my back…. but kept walking

And the man he was Part 3



I was wandering on the beach, it was crowded, though Thursday, but crowded, a lot of peoples, all kinds, all shapes, all ages, single, couples, with families, without families, rich, poor, middle class, with their own transport or without it were there. each immersed in his own world, his own universe, barely aware of others around them, enjoying or trying to enjoy., some were there to just have a good time, some like me to escape, escape from the harshness of life , sitting beside the waves or , sitting in the waves , some having a bit of snacks and then carelessly throwing the garbage around , other just sitting or walking along the beach , in the water and looking in particular nowhere like me

.then suddenly my eye caught attention , it was a man , he was playing with a child , the child does not appeared normal , he had a bit of sling in his leg , but seemed happy , very very happy , splashing in water , trying to run , then falls and laugh at himself , at his own fall , and then would try to run again and deliberately fall just to laugh at himself , he was soaked in water , but seemed to enjoy it , his father had sometimes a concerned look , at other time happy , Happy for his child being happy , and showing a mocking anger and asking his child to be careful …. but the child would act as is ignoring him ..and playing his own run and fall game …

…I looked intently at the man with him, he looked familiar, I tried to remember, now where have I seen him ..?? . in the meanwhile, the child had a sudden rush of energy and ran straight to him, with such force ….

that his father too fell …. the shock of such sudden rush of energy shocked his father …and for a moment he seemed lost…. child suddenly became a bit scared…. for he has just pushed his father to fall …. then the man came out of shock …. and feeling his own situation, ..looked at his child…. then seeing the shadow of fear in child's eye …. stood up…. and laughed, a sudden sigh of relieve appeared in child eyes ….and he again rushed toward him and tried to push him down, pushing his leg …… the father sensing his effort, deliberately fell down and they both laughed …. a father son hearty laugh

and my mind wandered … now where have i seen him…!! ..the man looked around and sensed me looking at him … at the same moment , I looked at him …. and in a flash, I recognized him

he was the man, who was in charge of all those beggars, the one he called his machines ….. he would bring them every morning … my mind flashed …... and a thought, kind of doubt rose his ugly head in my mind ……... could this be his own child … the one us himself would set at some road corner to beg ….??

the child would earn for him ….and he would take care for him…. not as a father, but as a caretaker of other beggars ..his machines …. and then collect them in the evening with their earned income, … but today he was not the caretaker, or contractor …but rather a father … treating his own son, …may be to a holiday …. from the begging job …. my eyes met his , a dim spark of recognition came into his eyes.. I approached him … smiled and asked…. your child ..? he remained silent, perhaps deliberating in his mind, should he answer me or not … or who am I ?, and why am I asking this question .?.. but then he relaxed … perhaps recognized me … and said … yes… ..then looked back at his child and gently said ….. " Sarfraz lets go …. " …. the child wanted to play more … but he firmly held his hand …. and as soon he held his hand .. the child who was so bubbly and happy and playful … became obedient …….and simply walked , no dragged himself alongside him , without saying another word … he then stopped at a khooka …. and brought some candies and a packet of chips … child's face lit up again ..



…and they then walked to the same wagon, which was now kinda familiar to me, in which he would bring his machines every morning …. and drove away …

… I kept looking his way …. and turned around … for the sun was about to set … and setting sun in the waters of Arabian Sea on Clifton beach, dirty ugly beach, unclean beach …is one good sight …. but today the beach did not look dirty to me…. instead, it was glowing …. glowing with

the love of a father for his child … I felt a certain invisible light all around me … looked around , and heaved a sigh …..

For a fleeting moment i thought i saw Ilm deen there too ….. then shrugged …and sat there for god know how long … till that light of fathers love for his child dimmed in me….

The Long Wait

Complaining again …? you ungrateful thing…...sigh … this is what I tell myself whenever, my heavy heart forces me to shed down some burden …Last night .. I took the last coach, and fortunately it dropped me near the sea … it was kind of deserted so i wandered down to the water …..and sat there on the wet sand …. then cursed myself that I will have to wash my cloths now , because it was wet .and then immersed my feet's in the waves , closed my eyes and tried to think of God . in the hope that may be, just maybe , he will appear out of nowhere when no one is around and at least listen to me…then I felt , the waves are trying to say something to me , gently knocking on the door of my soul , I kept my eyes closed and tried to listen .

I thought they were trying to say, that I should tell the God about my miseries, about my problem , about the nearly monolithic perpetual state of Pain I am in , I felt my heart opening , but it was too dark , only the waves and their sound …so I asked why ..? why am I being tried , and tried for so long , the cruel heart of mine laughed .. because you are always complaining, I asked for how long will this continue, he laughed again, and said …as long as he likes.



…then it said, your miseries are nothing, compared to some of others so forget about them …beside he is busy and not interested in your miserable always whining and crying, you are alive, you should be grateful for that …. I said and what about him being merciful ……. and in response, it just laughed and laughed and laughed ….and in that laughter, another laugher merged ... these were the waves, now laughing along him …...and with heavy heart, I stood up … and walked and walked and walked, all the way, some 4-5 kilometers back to my Khooli …. that night while sleeping on the roof, for its too hot, even the fan throws flames instead of air , beside the Bill , Last month's Electric Bill , ….why do they always increase the electricity rated in summers…??

..any way … while on the roof , and looking at the half burned mosquito coil , I looked up , beyond the floating clouds , there were stars ….far far away stars …. looking down at me, with contempt …and laughing

..Sigh .. I guess i cannot do anything else, except bear it out, for as long as he want, I am kind of his game ..and he loves my miseries and enjoys them , for it being too long 18 plus years , and 8 years since I had a decent meal , a decent home cooked meal … and I feel a sleep …

Getting torn Apart



These days I am going through severe personal conflicts, that are within me, invisible, .but they are tearing me apart, the conflicts are at a deeper level, questioning my very existence, even the reason for existence.
a whirlpool of powerful forces dragging me into different directions, I am trying to get out of their reach, because I know once I am caught into them, it will only end up as madness, and I don't want that.

Madness that will be destructive for me, whatever little semblance of sanity I have left in my outer demeanor will shred my soul irrevocably

i have and am trying to divert my attentions to other trivial but kinda engaging activities ….. but then suddenly out of nowhere , like a bolt these inner conflicts in me strike ,… I go numb, suddenly everything become uninteresting ….I don't know how I keep my demeanor , the outer appearance …

these conflicts are because of a deep personal nature, I don't think anybody can understand them, or even is willing to understand them … life is too busy …. one moment is a precious moment, not to be wasted ….

perhaps ..perhaps …. when I retire … I may find someone …. equally alone …. like me

…..

ٹوٹ گیا اک بندھن دھاگے سے بھی جو کچا تھا

کچھ تو تھا کہ وہ نا ہونے سے تو اچھا تھا

Rag Tag Cricketer

Dec 6: 2010



I have not said much about my Cricketing career, except that I have played with Hakim Saeed Sahib once

The Era in which I played cricket were crazy times, Lillie Thompson, Max Walker, Asif Masood, Andy Roberts, Bob Willis along with Imran and Sarfraz were craze.

I was never into bowling , but had this ability to bowl with both arms , and was good at copying styles , so in the practice sessions of our Team I would bowl with both Arms …and copy the exact styles of Lillie , Thomspon and especially Asif Masood , his long run up , from near the boundary , with a signature one diagonal backward step and then straightening up to fire up the bowl was my favorite ,I was never considered serious bowler maybe because of my copying.., I could also bat with both hands ie Left and Right , but was not much of a batsmen either , and here is the interesting part… though in the Nets I would bowl…but in actual matches I would keep the wickets ,I was good and daring at stopping balls , would stand up sometimes even to Fast bowlers, I was also into Statistics , so I kept a record of my team ,and my own , ..just yesterday , I found it … and it amazed me I had more stumping then Catches ..!! in some 80-90 matches , of which I kept record spread over some 3-4 years , I did some over 100-110 Stumping and barely 11-12 catches or may be 20 , was not a good batsman , the highest I scored was some 50-52 runs may be twice.

That was a really crazy time , and I was crazy about playing , I had played along with Amin Lakhani the South Paw who did double hattrick [Hatrick in each inning] against the visiting Indian Team under B.S Bedi , also along with Asif Mohammad the nephew of Hanif and cousin of Shoaib ….I was so crazy then even in the hot sultry May -June , on each Sunday or any holiday , when our team was not playing , I would pick up my kit bag [my own keeping gloves and pads] and wander from ground to ground ..and on 99 % of times would find some team Short of a player , especially when they find out that I had my own Kit Bag… I even once went along complete strangers to tour Hyderabad to play a match, unfortunately it rained and we could not play a single ball, ..we slept on footpaths that night , as traveling at nights was dangerous ..



Those were changing times for Karachi as well, in 72 Pakistan broke, then 79 Iranian Revolution, the USSR's Invasion of Afghanistan, … a lot of influx of Immigrants Irani, Afghans, Burmese, Biharis etc in Karachi, that changed the entire nature of the city, a city that was once accommodative …. become a killing field. but on that some other time.

Our Crosses



Every One of US. Carry his own cross…

the irony is…. We spend our whole life……constructing this Cross for ourself.

and in the End …... when we our self are PUT on this CROSS… we exclaim…...WHY….??

…and Blame every One for the injustice being Done to our self…….!!

But then…… No one CARES…... Everyone is busy building his own cross……

Just pause for a moment…...take a second off …your cross construction…

Look Back… Look around You……and you will Find EVERY ONE…… constructing his own cross…

But then When ONE's Cross is complete…... they will JUMP up on the opportunity…… and Nail YOU to YOUR own Cross….

… your cries will fall on DEAF ears…...because then they will GET Back …….to Construct THEIR CROSSES…

I am about to Complete Mine…...!!……and Now the Shifty Uneasy Eyes Around Me are waiting …………

EAGERLY for the Opportunity…...!!!!…...to nail me to my Cross…

دل گرفتہ بیر بہوٹیاں

12مارچ، 2011

قسم: میری زندگی



پانچویں کلاس میں ہماری ڈرامہ کی ٹیچر نے جانے کیا سوچ کر ہمیں ایک ڈرامے جو کہ لٹل ریڈ رائڈنگ ہوڈ سے متاثر ہو کر بنایا گیا تھا، اسکول کے سالانہ فنکشن کے لئے، ہمیں چن لیا ہمارا کردار لکڑہارے کا تھا، جس نے آخر میں آکر خون خوار بھیڑیے کو مارنا تھا۔

ہمیں اک دھاری والی جرسی پہننے کو بولا گیا، اور ایک لکڑی کی کلہاڑی بھی بنانے کو دی۔

خیر دھاری والی جرسی کیلئے تو ہماری دادی تمام شہر میں سے کہیں سے ڈھونڈ کر لے آئیں، کلہاڑی کیلئے ہمیں لکڑی کی تلاش ہوئی، منور نے کہا اس کے گھر میں شہتوت کا پیڑ لگا ہوا ہے، اور ہم وہاں سے کوئی ٹہنی توڑ سکتے ہیں۔ تو ہم اس کے گھر چلے گئے، وہاں ہم نے زندگی میں پہلی بار بیر بہوٹی دیکھی، یہ ایک چھوٹا سا، خوبصورت سا، ریشمی ریشمی سا، نازک سا کیڑا ہوتا ہے، اس کی مخملی جلد، سرخ اور مرون کلر کی نہایت ہی خوبصورت لگتی ہے، اور یہ عام طور سے شہتوت کے ہی پیڑ پر پایا جاتا ہے۔ خیر لکڑی تو مل گئی، مگر وہ سارا دن ہم بیر بہوٹیاں جمع کرتے رہے۔ ماچس کی خالی ڈبیوں میں روئی رکھ کر ہم نے ان بیر بہوٹیوں کیلئے کئی گھروندے بنائے، اور اگلے دن اسکول لائے۔



اب ڈرامے کی ریہرسل ایک مسئلہ بن گئی، کیوں کہ تمام کردار بجائے ریہرسل کرنے کے، ہماری بیر بہوٹیوں کو دیکھتے تو کھیلنے میں لگ جاتے۔ تنگ آکر ٹیچر نے ہمیں جلدی جلدی تھوڑی سی پراکٹس کروا کر، کلاس سے ہی نکال دیا۔ خیر ہم نے بھی ایک ہی لائن بولنی تھی اور پھر بھیڑیے کو کلہاڑی مارنی تھی، تو کچھ خاص فرق نہیں پڑھا، البتہ افسوس ضرور ہوا، کیوں کہ جو لڑکی ریڈ رائڈنگ ہوڈ بن رہی تھی، وہ بہت پیاری تھی، گول گول معصوم آنکھیں اور موہنی سی، سلونی سی، دل میں گدگدی ہوتی تھی جب اس سے بات کرتے تھے، اور یہی وجہ تھی کہ ہماری ایکٹنگ ریہرسل میں ہی کافی حقیقی لگتی تھی، کیوں کہ ہم بھیڑیے کو دل سے اور پوری لگن سے ریڈ رائڈنگ ہوڈ کو بچانے کیلئے مارتے تھے، اور حقیقتاً جو لڑکا بھیڑیا بنا تھا وہ ہم سے کافی کترانے لگا تھا، اور اس نے ایک آدھ دفعہ ہماری شکایت بھی کی تھی، مگر ٹیچر کو ہمارا نیچرل جذبے سے بھرا انداز بہت اچھا لگا، پر کیا کریں ہماری بیر بہوٹیاں نے ہمیں ریہرسل سے نکال دیا، پر ہم بھی ایک کائیاں شے تھے، روز بیر بہوٹیاں لاتے اور دور سے خاص طور پر ریڈ رائڈنگ ہوڈ کو دکھاتے، ریڈ رائڈنگ ہوڈ کو بھی وہ بیر بہوٹیاں بہت اچھی لگتی تھیں

تو وہ بھی بہانے بہانے سے رہرسل سے باہر آتی، اور کافی دیر تک بیر بہوٹیوں سے کھیلتی رہتی، اور ہم اس کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے۔

پھر مس نے ہمیں ایک دفعہ پکڑ لیا، اور سمجھایا، کہ ہم تو نیچرل ایکٹنگ کرتے ہیں، پر ریڈ رائڈنگ ہوڈ کو کافی تیاری کی ضرورت ہے، اس کے ڈائیلاگ بھی زیادہ ہیں، اور پورا ڈرامہ ہی اس پر ہے تو ہم اس کے یکسوئی سے ڈرامے کی ریہرسل کرنے دیں۔ ہمیں یہ بات سمجھ آ گئی، اور ہم نے بھی ریڈ رائڈنگ ہوڈ سے کہا کہ اگر وہ اچھی ایکٹنگ کرے گی تو ہم اس کے اپنی بیر بہوٹیاں دی دیں گے۔

خیر خیر کر کے اسکول فنکشن کا دن آیا، ہمارا ڈرامہ سب سے آخر میں تھا، ڈرامہ شروع ہوا، اور جب ہمارا پارٹ آیا تو مائک بند ہو گیا، مگر ہم بلکل بھی نہ گھبرائے، اور خود ہی اتنے زور سے اپنی ڈائیلاگ بھیڑیے کو للکارنے کا بولا کہ وہ لڑکا جو بھیڑیا بنا تھا واقعی ڈر گیا، اور ہمارے کلہاڑی مارنے سے پہلے ہی گر گیا، ہم نے یہاں بھی اپنے اوسان خطانہ ہونے دیے، اور اسٹیج پر اس کے سامنے اس طرح آ گئے کہ یہ پتہ ہی نہیں چلا کہ ہم نے اس کو کلہاڑی ماری بھی ہے کہ نہیں۔

اگلے روز، ہماری اچھی ایکٹنگ پر، میڈم نے خاص طور پر ہمیں سب کے سامنے بلا کر شاباشی دی۔ پر ہمیں سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوئی جب ہم نے حسبِ وعدہ ریڈ رائڈنگ ہوڈ کو بیر بہوٹیاں دیں، اور وہ خوشی سے اچھل پڑی، اس کے چہرے کی یہ خوشی ہمیں آج بھی یاد ہے۔



افسوس ایک ہفتے بعد اسکول کی سالانہ چھٹیاں ہو گیں اور ہم جونیئر سے سینئر سیکشن میں آ گئے پر ریڈ رائڈنگ ہوڈ نے اسکول بدل لیا اب ہمیں یاد نہیں کیوں، شاید اس کے والد کا تبادلہ ہو گیا تھا، یا انہوں نے گھر بدل لیا تھا، یا انہوں اس کے لئے کوئی دوسرا اسکول دیکھ لیا تھا۔ مگر اس کی وہ معصوم خوشی بھری آنکھیں ہمیں آج بھی یاد ہیں۔

زندگی کے سفر میں گزر جاتے ہیں جو مقام وہ پھر نہیں آتے وہ پھر نہیں آتے

پھول کھلتے ہیں لوگ ملتے ہیں پت جھڑ میں جو پھول مرجھا جاتے ہیں

وہ بہاروں کے آنے سے کھلتے نہیں کچھ لوگ اک روز جو بچھڑ جاتے ہیں

وہ ہزاروں کے آنے سے ملتے نہیں عمر بھر چاہے کوئی پکارا کرے، انکا نام

وہ پھر نہیں آتے وہ پھر نہیں آتے وہ پھر نہیں آتے

شکستِ دل

11مارچ،2011

قسم:میری زندگی



ہم نہیں جانتے محبت کیا ہے، بس اس کی من مونی سے صورت اچھی لگتی تھی، مگر کبھی بھی اس سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی، روز خام خواہ میں اس کے پوائنٹ سے جانا شروع کیا اور اس کے اترنے کے بعد اگلے اسٹاپ پر اترتے، کبھی یہ بھی ہمت نہ ہوئی کہ اسی کے اسٹاپ پر اترتے، اور پھر دو بسیں بدل کر اپنے گھر جاتے۔

اپنی خود اعتمادی پر شک ہونے لگا، اس ہی چکر میں، دو تین لڑکیوں سے خام خواہ میں انداز گفتگو تبدیل کیا، مگر ان کی طرف سے حوصلہ افزائی دیکھی تو ڈر کر پیچھے ہٹ گئے، کہ مبادا کوئی غلط فہمی نہ ہو جائے، اور پھر وہ ہماری منزل تو نہیں تھیں۔

ہم تو اس من مونی صورت کا ہی سوچتے رہتے تھے۔ دوستوں نے مذاق اڑایا، تو ہم نے خام خواہ میں ایک فرضی سروے بنایا، اور تقریباً200-300 فارمز برنس روڈ کی ایک دکان سے سائکلو اسٹائل کروایے، تاکہ سروے کے بہانے اس کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔

کئی دن تو وہ نظر ہی نہیں آئی، البتہ ہمارے بہت سے دوست جو اس کارِ ثواب میں شامل ہو گئے تھے ان کی تو چاندی ہو گئی، انہوں نے ہمارا ہاتھ بٹانے کے بہانے ہم سے وہ فورم لئے، اور پھر تقریباً ہر کسی نے ان فارمز کا خوب استعمال کیا۔

اب تو فارمز بھی ختم ہونے لگے تھے، کہ ایک دن دل کی مراد پوری ہوتی نظر آئی، لائبریری میں وہ اپنی ایک سہیلی کے ساتھ اکیلی بیٹھی ہوئی تھی، لائبریری بھی تقریباً خالی تھی، پر پھر بھی ہمارا تو حوصلہ نہ ہوا، نعیم ہمارے ساتھ تھا، اس کو کہا کہ جا کر ان سے فارم بھر والائے، پہلے تو وہ ہنسا تو ہم نے اس کو اپنا احسان یاد دلایا کہ کیسے ہمارے فارم نے اس کو فائزہ کے بارے میں جاننے میں مدد دی تھی۔

تو ہمارے اس احسان کے تلے وہ فارم لے کر ان کے پاس گیا، ہم دور بیٹھ کر بے چینی سے اس کا انتظار کرتے رہے، فارم کی سہولت صرف لڑکے ہی نہیں، ہماری کلاس کی کئی لڑکیوں نے بھی استعمال کی، اسی دوران عزرا بھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ آگئی،

اور ہم سے بچے کچے 10-15 فارم لے لیے، تا کہ ہماری خاطر وہ بھی کچھ سروے کر سکے اور ہم ان کو فارم دینے میں مصروف ہو گئے۔ جب فارغ ہوئے تو نہ نعیم تھا، نہ ہی وہ موہنی صورت، اور کلاس کا ٹائم بھی ہو گیا تھا۔

جانے کیسے کلاس میں وقت گزرا، اور اس کے فوراً بعد ہم نعیم کو تلاش کرنے لگے، مگر وہ نہ ملا، اب ہمارا تو بے کراری سے برا حال تھا، پوائنٹ کا وقت ہو گیا پر نعیم پھر بھی نہ ملا، اور اس دن کافی عرصے کے بعد ہم نے بجائے موہنی صورت کے پوائنٹ کے، نعیم کے گھر کا پوائنٹ پکڑا، اور اس کے گھر پہنچ گئے، پر نعیم شاید ابھی بھی یونیورسٹی میں ہی تھا۔ پر کیوں کہ نعیم کے گھر والے ہمیں جانتے تھے، لہذا ہم جا کر اس کے کمرے میں براجمان ہو گئے، اور انتظار کے کرب سے گزرتے رہے، اتنے عرصے میں نعیم کے گھر والوں نے ہماری خوب توازہ کی، کیوں کہ ہم اس کے اچھے دوستوں میں شمار ہوتے تھے، بریانی کھلائی، چائے بھی کڑک پلائی، پر ہم سے تو ایک نوالہ بھی نہیں نگلا جا رہا تھا۔۔طوہن کر دن زہر مار کیا، خدا خدا کر کے وقت کٹا، اور نعیم اگلے پوائنٹ سے گھر آیا، جیسے ہی وہ گھر آیا ہم اس پر جھپٹ پڑے، اور فارم طلب کیا، نعیم شرافت کے موڈ میں تھا، اس نے دونوں ہی فارم ہم کو دے دئے، اور شرافت سے یہ بھی بتا دیا کہ اس موہنی صورت کا فارم کون سا ہے۔

فارم ملتے ہی ہماری تو خوشی کا ٹھکانہ ہی نہیں رہا، اور ہم فوراً ہی اس کا شکریہ ادا کئے بغیر ہی نکل آئے۔ گھر آ کر تسلی سے فارم پڑھا، کافی چیزیں ملتی جلتی تھیں، ہمارا یہ جان کر ڈھیروں خون بڑھ گیا، اب اگلا مرحلہ اس سے بات کرنے کا تھا، سو ایک پورا ہفتہ سوچ بچار میں لگ گیا، آخر سوچا کہ، اسکے پاس جائیں گے، اور فارم میں لکھی چیزوں کے بارے میں وضاحت طلب کریں گے، اس سے کم سے کم بات کرنے کا بہانہ تو ملے گا۔ پر اگلے دن جب یونیورسٹی گئے تو سیمسٹر کا شیڈول آ چکا تھا، تو مجبوراً پڑھائی کی طرف دھیان دینا پڑھا، اس دوران وہ موہنی صورت بھی نظر نہیں آئی، اور روز صبح شام ہمارے دل میں ایک ہوک اٹھتی، ہم کلاسوں کے بعد کا خالی وقت، ساری یونیورسٹی میں خام خواہ آوارہ گردی کرتے رہتے، پر وہ صورت پھر بھی نظر نہ آئی۔

ہم مایوس ہو کر دوبارہ اپنی زندگی میں واپس آ گئے، اکثر ہمیں وہ موہنی صورت یاد آ جاتی پر ہم بے بس تھے، کیوں کہ وہ اب نظر نہیں آتی، جانے کہاں گئی، کس حال میں تھی، اور کیوں اس نے یونیورسٹی چھوڑ دی، اسی دوران تین چار سال ہو گئے۔ اور وقت سب سے بڑا مرہم ہے، دل کو زخموں پر ایک تہہ سی بچھا دیتا ہے اور زخم چھپ جاتے ہیں۔ ہم نے اپنی تعلیم مکمل کر لی اس دوران کسی کی شادی کا کارڈ آیا، سب دوستوں کو جانا تھا، ہم بھی گئے، خوب ہلا گلا رہا۔ رخصتی والے دن، سب بہت خوش تھے، کہ اچانک ہمارے دل پر چھری سی چل گئی، وہ موہنی صورت سامنے کھڑی تھی۔۔۔ اور ایک 2 سال کا بچہ اس سے پوچھ رہا تھا۔۔۔ امی دولہا کے چہرے پر سہرا کیوں باندھتے ہیں؟

ہم سے وہاں مزید نہ ٹھہرا گیا، اور ہم خاموشی سے وہاں سے نکل آئے، اور غالباً ساری رات سمندر کے کنارے جا کر بیٹھے رہے۔

اگلے دن سب دوستوں گلا کیا، مہدی خاص طور پر بہت ناراض تھا، پر ہم کیا بتاتے،

یوں ہی بیٹھے رہے دور ہم تکتے

یوں ہی دور دور اس قربت میں

نہ تم سمجھے جو میں نے کہنا تھا

نہ میں سمجھا سکا جو سمجھانا تھا

اس خاموشی میں دوری کی چادر اوڑھے

اک ربط کو ہم تم نے نہ قائم کیا

اب اس جدائی میں رہ رہ کر

اس فتح میں احساسِ شکست یاد آیا

کاش ہم تم میں وہ ربط پیدا ہوتا

کاش ہم بھی تم سے محبت کرتے۔

یہ لمحے میری تنہائی کے اچھے گزرتے

پان کی پیک

17 مارچ، 2011

قسم: میری زندگی



اس کی مکروہ صورت اور خبیث ہنسی، ہم کو کافی عرصے تک یاد رہے گی۔ ہم جب بس سے اتر کر سڑک پار کر رہے تھے تو ہم نے اس کو سڑک کے بیچ میں حیران و پریشان کھڑا پایا، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، کئی اندیشے تھے، ناکامی اور بد نصیبی کے گھنے سائے، بیچارگی اور کچھ نہ کر سکنے کا شدت سے احساس اس کے سارے وجود سے ٹپک رہا تھا۔

ہم اس سے پہلے کے کچھ سمجھ پاتے، ہماری نظر اس مکروہ اور خبیث چہرے پر پڑی، جو اپنے گندے پان سے لت پت دانتوں سے ساتھ گدھوں کی طرح ڈھانچو ڈھانچو کر رہا تھا اور سمجھ رہا تھا کہ وہ ہنس رہا ہے اور اپنے کسی شاندار کارنامے پر خوش ہو رہا ہے۔ بس کی کھڑکی سے نکلا ہوا اس کا سر خباثت کی تصویر بنا ہوا تھا اور عجیب انداز میں پیچھے مڑا ہوا غیر فطری انداز، مثلِ شیطان لگ رہا تھا۔ ہماری نظر دوبارہ سڑک کے بیچ میں کھڑے نوجوان پر پڑی، اسکی سفید قمیض سرخ ہوئی ہوئی تھی، ہم بے ساختہ اس کی طرف بڑھے تو جان میں جان آئی کہ زخم نہیں بلکہ پان کی پیک ہے جو بس میں بیٹھے ہوئے اس خبیث انسان نے باہر پچکاری ہے اور اس کے کپڑوں پر گری ہے۔

اس نے بے چارگی بھری آنکھوں سے ہماری طرف دیکھا اور صرف اتنا کہا، 10 بجے انٹرویو ہے، ہم خود تو گھڑی پہنتے نہیں ہم نے اس سے ٹائم پوچھا تو اس نے 09:20 کا بتایا۔ اس کے لئے گھر جا کر کپڑے بدلنا اور پھر دوبارہ انٹرویو کے لئے جانے کا مطلب وقت پر پہنچنا نہ ممکن تھا۔ وہ تو بھلا کرے کسی صاحب کا جنہوں نے فوراً اپنا نیا قمیض اتار کر اسے دیا اور اس کا پیک زدہ قمیض خود پہن لیا اور اسے اپنا نام پتہ بتا دیا کہ انٹرویو سے واپسی پر ان کا قمیض واپس دے کر اپنا قمیض واپس لے لیں۔ اتفاق تھا کہ ایک بھلا انسان کام آیا۔

بس کہ دشوار ہے کہ کام کا آسان ہونا،
آدمی کو میسر نہیں انسان ہونا۔

کچھ ماضی کے جھروکیوں سے

8مارچ،2011

قسم:میری زندگی۔

یادوں کی رہگزر پر لی پاش پاش کے ٹکرے

مجھے بار بار میری منزل دکھا رہے ہیں،

الجھتے سلجھتے خیالات کے اژدہام

منتشر منتشر سے رستے دکھا رہے ہیں۔



غلام محی الدین جو کہ "میرا نام ہے محبت "نامی فلم سے، اچانک فلمی دنیا کے آسمان پر چھا گی۔انہیں ہم نے کئی بار، ناظم آباد میں انتظار یا منظور مارکیٹ میں اپنی بہن کے گھر پیدل آتے جاتے دیکھا۔کئی بار انیل چودھری، ایک اور اچھا فنکار، جو زمانے کی بے ساطی کا شکار ہو گیا، وہ بھی اکثر ناظم آباد نمبر 2 میں گورنمنٹ کالج کے پیچھے سے گزرتا تھا۔

ایک عرصے تک ہم خالد ظفر کے پڑوسی رہے، انہی گھروں کے پیچھے ہمد رد دواخانے کے پاس اور بھی کئی فنکار رہتے تھے۔واضح رہے ہمد رد دواخانے کا مطب / آفس / فیکٹری ناظم آباد نمبر 1 میں ہے، عید گاہ گراؤنڈ کے پیچھے، گول مارکیٹ کے پاس، یہ فیکٹری ناظم آباد نمبر 2 میں، گورنمنٹ کالج کے پیچھے ہے۔انہی گلیوں سے سلام اللہ ٹیپو نکلا، یہاں ہی سے سلیم یوسف، پاکستان کا مایاناز وکٹ کیپر بھی نکلا، اس کو عرف عام میں پیار سے سلیم مرغی بھی کہتے تھے۔یہاں ہی ہم امین لاکھانی، شعیب حبیب، اور ساجد خان کے ساتھ کرکٹ کھیلے۔

عید گاہ ناظم آباد کا میدان، ایک تاریخی میدان ہے، اور ہمارے خیال میں 20-20 کرکٹ کی اصل بنیاد یہاں ہی پڑی، رمضانوں میں، اسی گراؤنڈ پر دوپہر ظہر کی نماز کے بعد، عید گاہ میدان کی سیمنٹ کی پچ پر، ایک سپر کپ کا آغاز ہوا، یہیں ہم تسلیم عارف کے خلاف کھیلے، افضل احمد، لیاقت علی، جو کہ لیاقت کانا بھی کہلاتا تھا، اسکی فاسٹ بولنگ پر ہم نے تسلیم عارف کو بالکل وکٹ کے ساتھ کھڑے ہو کر وکٹ کیپنگ کرتے دیکھا۔یہ وہی لیاقت علی تھا جو پاکستان کی ٹیم کے ساتھ انگلینڈ بھی گیا، اور وسیم باری اس کی بال پر ایک قدم اور پیچھے ہو جاتا تھا۔



امین لاکھانی، وہ لڑکا، جس نے انڈیا کے خلاف ڈبل ہیٹ ٹرک کی تھی، شاید ملتان میں، جب انڈیا بی ایس بیدی کی قیادت میں 17-18 سال بعد پہلی بار پاکستان آئے تھے۔ اس ہی لاکھانی کی گیندوں پر ہم بھی وکٹ کیپنگ کر چکے ہیں۔ اس امین لاکھانی کے والد بہت سخت آدمی تھے، اس کے کرکٹ کھیلنے کے سخت خلاف تھے، تو جب میچ شروع ہوتا تھا، ہم لوگ اس کی کٹ گراؤنڈ میں لے آتے تھے جہاں یہ ایک جھاڑی کے پیچھے کٹ تبدیل کر کے میچ کھیلتا تھا۔ بولنگ کراتا پھر کٹ تبدیل کر کے گھر چلا جاتا، والد صاحب کو اپنی شکل دکھا کر واپس کھیلنے آتا تھا۔ آصف محمد، جو کہ شعیب محمد کا کزن تھا، کئی بار ہمیں ہمارے گھر سے میچ کیلئے بلانے آیا۔

مگر اب یہ سب ماضی ہے، وقت اور حالات بدل جاتے ہیں، اس پر آدمی کا اختیار نہیں۔ گورنمنٹ کالج کے ساتھ، جو سندھ اسپورٹس بورڈ کی عمارت ہے، یہاں ہم نے پاکستان کے نامور کھلاڑیوں کو مشق کرتے دیکھا، ایک کرسچین خاتون، جن کا نام ہمیں یاد نہیں، پر شاید وہ پاکستان کی دوڑ کی چمپیئن تھیں، اس ہی گورنمنٹ کالج کے میدان میں دوڑ لگاتی تھیں۔

گورنمنٹ کالج کے ساتھ ایک خوبصورت سا باغیچہ بھی تھا، جس میں جنگل فلیم کے درخت لگے ہوئے تھے، اسکول کی عمارت کے باہر کئی درخت تھے، ان میں سے ایک پیپل کا درخت ہمارا پسندیدہ تھا، یہیں ہم نے دوستوں کے ساتھ، کئی بار، جھاڑ بندر کھیلا۔ اس کے سامنے گورنمنٹ کالج کا ہاسٹل تھا، جس میں مستجاب مہدی رہتا تھا، اس نے ہاسٹل کے ایک کمرے پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ ہماری کئی شامیں غالب لائبریری میں گزریں۔ اس کے نیچے حبیب بینک ہوا کرتا تھا، وہاں پر ہم نے اپنا دوسرا اکاؤنٹ خود جا کر کھلوایا، اس وقت ساتویں یا آٹھویں میں پڑھتے تھے۔ ہماری دادی نے ہمارا پہلا اکاؤنٹ یونائٹڈ بینک، چورنگی برانچ میں کھلوایا تھا، مگر حبیب بینک ہم خود گئے، اور وہاں کے منیجر کے سامنے اپنی جیب خرچی کے جمع کئے ہوئے 20 روپے رکھ دیے، اور کہا کہ اکاؤنٹ کھلوانا ہے، منیجر تھوڑی دیر تک ہمارے پیسے اور ہماری شکل دیکھتا رہا، پھر جانے اس کے من میں کیا آئی، اس نے خود ہی تمام کاغذات منگوائے، خود ہی بھرے، غالباً ہماری ضمانت بھی اس نے خود ہی دی، اور یوں ہم نے اپنا ایک ذاتی خفیہ بینک اکاؤنٹ کھلوایا، پھر جب ہم ناظم آباد سے نارتھ ناظم آباد شفٹ ہوئے، تو ہم نے وہ اکاؤنٹ بند کروایا، اس وقت اس میں تقریباً

300روپے ہو چکے تھے۔ بینک منیجر نے ہمیں نصیحت کی، کہ ہم وہاں بھی جا کر اسی طرح اکاؤنٹ کھلوا لیں، اور اگر کوئی مشکل ہو تو اسے ٹیلیفون کروا دیں وہ خود سنبھال لے گا۔ مگر ان 300روپے کو نجانے ہم نے کیوں بلاوجہ خرچ کر دیا، اور اب، بعض دفعہ ان پیسوں کی شکل بھی دیکھنے کو ترستے ہیں۔

ہمارے ساتھ اسکول میں ایک لڑکا پڑھتا تھا، سکندر، اس کے گھر معین اختر آیا کرتا تھا۔ کئی بار ہم نے سارا سارا دن اس کے گھر میں موجود شہتوت کے درخت پر شہتوت توڑتے ہوئے گزارے تاکہ ہم معین اختر سے مل سکیں۔ مگر ہماری یہ آرزو کبھی بھی پوری نہ ہوئی۔

ہاں ہم نے ایک دفعہ، جہانگیر خان کے ساتھ چائے ضرور پی ہے، وہ بھی پرانے ائیرپورٹ کے باہر ایک کھوکھے سے، اور اس کے پیسے بھی جہانگیر خان نے ہی ادا کئے تھے۔ ہائے افسوس، اب جہانگیر خان جیسے لوگ نہیں، اس کی سادگی، ملن ساری اور انکسار، وہ اب لوگوں میں کہاں۔ سچ کہتے ہیں جس درخت پر پھل لگتے ہیں وہ جھک جاتا ہے۔ جہانگیر خان وہ عظیم انسان ہے جو اس قول کی سچی تصویر ہے۔ ہاں ایک اور بات، اس وقت جہانگیر خان، 5سے6دفعہ برٹش اوپن اور ورلڈکپ چمپیئن شپ جیت چکا تھا، ہم اسکے ایک دوست کے جاننے والے تھے، اور کسی نے کراچی آنا تھا، تو اسکواش کمپلیکس سے ڈائریکٹ ائیرپورٹ گئے، باہر پارکنگ میں کسی نے کہا کہ وہ فلاں کھوکھے سے بڑی اچھی چائے ملتی ہے، اور وقت بھی تھا، لہذا سب کو جہانگیر خان نے اس کھوکھے سے چائے پلوائی۔

بہتے بہتے جی چاہتا ہے بہہ جاؤں، پتھر سخت ہیں نوکیلے،

جی چاہتا ہے سنبھل جاؤں۔

باقی پھر کبھی سہی۔

کچھ اور یادیں

14مارچ، 2011

قسم: میری زندگی، زندگی کامشاہدہ

پلازہ A اور پلازہ B میں ہمارے فلیٹوں کے نیچے اور آس پاس ہر قسم کے لوگ رہتے تھے، سندھی، ہندو، کرسچین، پارسی، کاٹھیاواری، چنیوٹی، چکوالی، آغاخانی، بنگالی، ہر قوم کے لوگ۔ پلازہ کے آس پاس کا پورا علاقہ سینما گھروں سے بھرا ہوا تھا اور روز شام کو کافی چہل پہل ہوا کرتی تھی، یہ چہل پہل آج کل کے بڑو نگ بھاگم بھاگ اور بے وجہ اضطرابی خلفشار سے مختلف ہوتی تھی۔



ہمارے فلیٹ کے بلکل نیچے ایک پارسی فیملی رہتی تھی، انکی بچی میری کلاس میں پڑھتی تھی، والد صاحب نے گھوڑا گاڑی لگوائی ہوئی تھی، اور ہم دونوں اسی گھوڑا گاڑی میں اکٹھے اسکول آیا جایا کرتے تھے۔ ہمارے فلیٹوں کے سامنے ایک پلاٹ خالی تھا، بعد میں اس پر بھی ایک پلازہ بنانے کیلیئے اس میں پانی کیلیئے ایک تالاب سا بنایا، اور روز شام کو ہم دونوں اس تالاب میں جو کہ زیادہ گہرا نہ تھا، مینڈک کے بچے، مچھلیوں کے بچے سمجھ کر اپنی اپنی شیشے کی بوتلوں میں بھر گھر لاتے تھے۔ اور ہر سال نوروز کے موقع پر ہم اس کے ساتھ سیڑھیوں میں بیٹھ کر اس کی والدہ کے دروازے کے آگے رنگ برنگے چالک سے بنائے ہوئے خوبصورت ڈیزائن کو دیکھتے اور خوش ہوتے تھے۔ نامعلوم رات کے کس پہر اس کی والدہ یہ کام کرتی تھیں کیوں کہ شام کو تو وہاں کچھ نہیں ہوتا تھا، مگر اگلے دن، جب ہم اسکول کیلیئے اترتے تو وہاں ان کے دروازے کے آگے یہ خوبصورت پھول بوٹے ہمیں بہت اچھے لگتے، اور ہم بہت احتیاط کے ساتھ گزرتے کہ ان پر پیر نہ پڑے اور وہ خراب نہ ہوں، پھر اسکول سے واپسی پر ہم سیڑھیوں میں بیٹھ کر اس کی حفاظت کرتے تھے۔

دوسری منزل پر ایک کرسچین فیملی رہتی تھی، ان کے دو یا تین بچے تھے، ہمیں صرف ڈینس اور وینو یاد ہیں، وینو کا اصل نام نجانے کیا تھا، مگر ان کی والدہ وینو کی ماں کے نام سے تمام فلیٹس میں مشہور تھیں۔



جانے کیاہوا، وینو کے والد کا انتقال ہو گیا، کافی لو گوں کا آنا جا رہا، پھر ایک دن، ایک پادری بھی ان کے گھر آیا، کافی دیر تک بیٹھے رہا، معلوم ہوا کہ چرچ نے ان کا خرچہ باندھ دیا ہے، کیوں کہ اب ان کا کوئی کمانے والا نہیں رہا۔ ڈینس کے بڑے بھائی کا نام ہم کو یاد نہیں، مگر وہ سے کافی بڑا تھا، ایک دو سال کے بعد، وینو کی ماں میری دادی کے پاس آئیں اور کہا کہ وہ ان کے ساتھ چرچ چلیں، کوئی ضروری کام ہے۔ میری دادی بھی فلیٹوں میں رہنے والوں کے دکھ درد میں ہر وقت شریک ہوتی تھیں، اس لئے ہر کوئی اپنے مسائل لے کر ان کے پاس آجایا کرتا تھا۔

شام کو جب دادی واپس آئیں تو انہوں نے بتایا کہ وینو کی ماں نے چرچ کو اب خرچہ دینے سے منع کر دیا ہے کیوں کہ ڈینس کے بڑے بھائی نے تعلیم مکمل کر کے نوکری کر لی ہے، اور اب وہ چاہتی ہیں کہ چرچ یہ خرچی اب کسی اور مستحق کو دے۔

ایمانداری کی یہ مثال ہمیں آج تک متاثر کئے ہوئے ہے، اور ہم بڑا بول نہیں بولینگے، مگر اس مثال نے ہماری آئندہ پوری زندگی پر بہت اثر کیا۔

بعد میں انہیں بدنصیب آنکھوں نے ضیاء الحق کے دور میں عید گاہ جامع کلاتھ کے ناظمِ زکوٰۃ کو اپنی بیوہ کے نام 300 روپے کی زکوٰۃ لگاتے دیکھا۔ صد افسوس ایسے مسلمانوں پر، جو صرف 300 روپے ماہانہ کیلئے اپنی ہی زوجہ کو بیوہ ظاہر کرنے سے بھی شرمندہ نہیں ہوتے۔

بچپن کے کھیل

22مارچ،2011

قسم:میری زندگی



ہمارا پرانا محلہ بہت پر رونق اور زندہ محلہ تھا۔ ہم نے بچپن میں ہر قسم کے کھیل کھیلے اور شرارتیں کی، کھیلوں میں مارم پیٹی، پٹھوواری، چور سپاہی، سیپ سیپ، جھاڑ بندر، لٹوواری، کنچے، کھوکھو، سانپ سیڑھی، چیپا چیپی وغیرہ وغیرہ کھیلے۔ مارم پیٹی میں ٹینس کا گیند مخالف ٹیم کے کھلاڑیوں کو مارنی ہوتی تھی اور اس طرح ان کو آؤٹ کرنا ہوتا تھا۔ پٹھوواری میں سات پتھروں کا ایک مینار سا بنا کر ٹینس کی گیند سے توڑنا ہوتا تھا اور پھر دوبارہ بنانا ہوتا تھا اس طرح کے مخالف ٹیم آپ کو گیند نہ مار سکے۔ چور سپاہی ظاہر ہے سپاہیوں نے چور پکڑنے ہوتے تھے۔ سیپ سیپ میں مخالف ٹیم سے چھپنا ہوتا تھا۔ لٹوواری میں لٹو کے مختلف کھیل تھے جس میں زیادہ دیر لٹو چلانا اور دوسرے کے چلتے لٹو کو اپنے لٹو سے اس طرح گرانا کہ آپ کا لٹو چلتا رہے وغیرہ وغیرہ۔



کنچے بھی کئی طریقے سے کھیلے جاتے تھے جس میں مخصوص کنچے کو مارنا اور اس طرح سارے کنچے جیت لینا اور دوسرے کے کنچے کو اپنے کنچے سے مار مار کر دور لے جانا اور پھر دوسرے کا اپنی کہنی سے دھکیل دھکیل کر اس کنچے کو واپس گھر تک لانا ہوتا تھا۔ کھوکھو زیادہ تر لڑکیاں کھیلتی تھیں، کبھی کبھی سب مل کر بھی کھیلتے تھے اور جس کھوکھو کہا جاتا تھا وہی اٹھ سکتا تھا۔ سانپ سیڑھی یا سمندر پانی، اس میں سڑک پر کافی سارے خانے بنا دیے جاتے تھے اور ایک طرف سے دوسری طرف تک مخالف ٹیم سے بچ کر جانا ہوتا تھا۔ چیپا چیپی یہ غالباً ہمارے محلے میں کھیلا جاتا تھا اس میں گیند گیلی کر کے بیٹس مین کو چیپنی ہوتی تھی اور جو زیادہ گیندیں چیپتا تھا وہی اچھا بولر کہلاتا تھا۔ اور ہاں جھاڑ بندر تو ہم بھول ہی گئے اس میں ایک پیڑ کے نیچے ایک دائرے میں سب کی چپلیں رکھ دی جاتی تھی ایک ٹیم ان کی حفاظت کرتی تھی اور دوسری ٹیم نے ان کو اٹھانا ہوتا تھا اور پھر اس چپل سے مخالف ٹیم کے کھلاڑی کو مار کر آؤٹ کرنا ہوتا تھا۔ جو اپنی چپل اٹھا کر پیڑ پر چڑھ جاتا تھا، وہ محفوظ ہو جاتا تھا۔ اس میں چپلیں بڑی پڑتی تھیں اور صرف ڈھیٹ اور موٹی



کھال کے ہی بچ پاتے تھے۔ ہم دو دفعہ پھنسے تھے ایک دفعہ تو ہم اپنی چپلیں چھوڑ کر بھاگ گئے اور پھر مسجد سے مطلوب کی چپلیں پہن لیں اور جب تک ہماری چپلیں واپس نہ ملی مطلوب ننگے پیر ہی پھر تا رہا۔

دوسری دفعہ جب ہارنے لگے تو باقی ساروں کی چپلیں اٹھا کر پیڑ پر چڑھ گئے اور سب سے اوپر والی شاخ پر جا کر بیٹھ گئے، لوگ منتیں اور اصرار کرتے ہی رہے اور جب تک سب تھک کر چلے نہیں گئے ہم نیچے نہیں اترے۔ بعد میں سب کی چپلیں مسجد کے باہر رکھ دیں اور سب نے عصر کی نماز کے بعد وہاں سے اٹھائی۔ اس میں بھی بڑا مزہ رہا کیونکہ ہر کوئی گھر سے دوسری چپل پہن کر آیا تھا اور جب اپنی چپل اٹھا کر جانے لگا تو نمازیوں نے چپل چور سمجھ کر پکڑ لیا ایک دو کی حسب توفیق تواضع بھی کی، بڑی مشکل سے اصل معاملہ سمجھانا پڑا اور ہماری ہی گواہی پر سب کو چھوڑا۔

جانے کہاں گئے وہ دن

جنہیں دل پھر ڈھونڈ دیتا ہے

بٹوا اور جوتا



بچپن میں ایک شرارت جو ہم محلے والوں سے مل کر اکثر کرتے تھے اس کا تعلق بٹوے سے تھا پروفیسر صاحب کے گھر کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر ایک بٹوے کو دھاگے سے باندھ کر سڑک پر پھینک دیتے تھے نایاب سینما سے اکثر لوگ شو ختم ہونے کے بعدّ سڑک کراس کر کے گورنمنٹ کالج والی گلی سے گزرتے تھے کافی رش ہوتا تھا ایسے میں اگر کسی کو وہ بٹوا نظر ائے تو لازما وہ اس کو اٹھانے کے لیے جھکتا تھا بٹوا اور اس میں ممکنہ طور پر موجود پیسوں کی کشش ہوتی تھی اس کے بعد اس کے ساتھ جو ہوتا تھا وہ ایک الگ داستان ہے کیونکہ جیسے ہی وہ بٹوے کی طرف ہاتھ بڑھاتا سیڑھی پر بیٹھا ہوا لڑکا جس کے ہاتھ میں اس سے کا دھاگا ہوتا تھا اس کو کھینچ لیتا اور بٹوا اڑ کر اس کے ہاتھوں میں آنے سے پہلے ہی اڑ جاتا یہ اگر ہاتھ میں آتا بھی تو چھلانگ لگا کر نکل جاتا اس کے بعد اس شخص کی شکل اور حرکتیں دیکھنے والی ہوتی تھی کئی تو اس مفرور بٹوے کے پیچھے بھاگنے لگتے تھے کئی اس پر چھلانگ لگاتے تھے کئی ٹھٹک کر رک جاتے تھے اور پھر آہستہ آہستہ گھات لگانے کے لیے دوبارہ اس کی طرف بڑھتے ہیں مگر کہانی پھر دہرائی جاتی یعنی ہاتھ آیا ہوا بٹوا ہاتھوں کے طوطوں کی طرح پھر نکل جاتا اس وقت اگر کسی لڑکے کی ہنسی نکل جاتی تب معاملہ اس کی سمجھ میں آتا اور وہ یا تو غصہ ہوتا یا کھجل ہو کر شرمندہ شرمندہ سا کھسانی سی ہنسی ہنستا ہوا آگے بڑھ جاتا ایک دفعہ ایک صاحب گورنمنٹ اسکول کی دیوار کے ساتھ رفع حاجت میں مصروف تھے موتی نے بٹوا ان کے پاس ہی پھینک دیا اب دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوئے جب ان کی نظر ممکنہ مال پر پڑی اور وہ بھی اتنا قریب تو فورا بٹوے پر ڈائیو لگائی مگر بٹوا پھدک کر آگے بڑھ گیا انہوں نے وہاں سے ہی بٹوے پر پھر ڈائیو لگائی مگر کام نہ بنا اب حالت یہ کہ پینٹ نیچے پیروں میں پھنسی ہوئی ننگے ننگے زمین پر گرے ہوئے اور بٹوا ان سے چند انچ ہی آگے پڑا ہوا ان کا منہ چڑھا رہا تھا اور وہ پٹ پٹ انکھیں پھاڑ کر اس کو دیکھ رہے کہ یہ آگے کیسے بھاگا پھر جب لڑکوں کے قہقہے کی آواز سنائی دی تو اٹھے اور ایسے بھاگے کہ اپنی جوتیاں بھی وہاں ہی چھوڑ گئے اور کافی دیر اگے جا کر ان کو پینٹ اوپر کرنے کا خیال آیا ہمیں یقین ہے یہ واقعہ ساری زندگی انہیں پریشان کرتا رہا ہو گا اسی طرح ایک دفعہ ایک صاحب کو حسب معمول خالی دیوار دیکھ کر اپنی نشانی وہاں چھوڑنے کا خیال آیا موصوف سائیکل پر تھے مغرب کا ٹائم تھا سائیکل سے اترے اس کو تالا لگایا اظہار بند کھولا اور ایک خالی جگہ دیکھ کر اپنی نشانی لگانے لگے پھر انہیں بھی قریب ہی بٹوا پڑا نظر ایا ابھی وہ اس پر غور کر ہی رہے تھے کہ وہ خود بخود اچھلا اور تھوڑی دور جا کر گرا۔ وہ بھی اچھل پڑے چونکہ

اور بٹوے کو دوبارہ غور سے دیکھا بٹوے نے پھر ایک جست لگائی اب پھر چونکے اور بٹوے کی طرف بڑے تو بٹوے نے ان کو دیکھ کر ایک دم بہت دوڑ لگائی ہوا میں اچھلتا ہوا سڑک پر جانے لگا انہوں نے جو یہ بٹوے کو خود بخود ہوا میں اڑتے دیکھا تو بھوت بھوت بھوت کرتے ایسا بھاگے کہ غائب ہی ہو گئے لڑکوں کو بھی شرارت سوجی سائیکل کے پاس گئے تو دیکھا سائیکل کو تالا لگا ہوا ہے بہر حال گھما کر سائیکل کا رخ تبدیل کر دیا اور وہاں ہی کھڑے رہنے دی ایک آدھ گھنٹے بعد وہ صاحب واپس آئے دو اور آدمیوں کے ساتھ آئے اور اپنی سائیکل لے گئے ہمیں یقین ہے وہ سائیکل کا رخ تبدیل ہونے پر بھی حیران رہے ہوں گے

ہاکی یا کرکٹ

13 اپریل، 2011

قسم: میری زندگی



11 کے 11 ہاتھوں میں ہاکی پکڑے سبز قمیض اور سفید نیکر پہنے میدان میں ہکا بکا کھڑے تھے ، ان کے سامنے جو ٹیم کھڑی تھی وہ ہاکی کی نہیں بلکہ کرکٹ کی تھی، اس پر ترا یہ کہ کیپٹن ٹاس ہار چکا تھا اور پہلے فیلڈنگ کرنی تھی۔ لہذا گھر جا کر کپڑے تبدیل کرنے کا بھی ٹائم نہیں تھا، چنانچہ دنیا یہ انوکھا منظر دیکھا، یہاں ہاکی کی ٹیم ، ہاکی کی کٹ میں کرکٹ کھیل رہی تھی ، یہ سب کیسے ہوا؟

تو عرض کرتے ہیں محلے کی ایک ہی ٹیم تھی جو ہاکی بھی کھیلتی تھی اور کرکٹ بھی اور وقت پڑنے پوٹبا ل بھی 15 سے 16 ممبرز تھے اور کسی بھی میچ شروع ہونے سے ایک روز پہلے کلب کے سیکرٹری کلب کے نوٹس بورڈ پر اس کی اطلاع دیتے تھے۔ ساتھ ہی ٹیم کا اعلان بھی کر دیتے تھے عام طور پر 13 لڑکوں کا اعلان ہوتا ہے جن میں سے 11 میچ کھیلتے تھے اور دو سکورنگ کرتے تھے یا امپائر ریفری کے فرائض انجام دیتے تھے ہوا یوں کہ ایک جونیئر ٹیم کے کسی لڑکے سے کسی نے کہہ دیا کہ وہ اگلا میچ سینئیرز کی ٹیم کے ساتھ کھیلے گا اس جونیئر کی تو عید ہو گئی وہ سپہر سے ہی نوٹس بورڈ کے سامنے بیٹھ گیا اس کی تو جیسے نیند ہی اڑ گئی۔ آخر کافی انتظار کے بعد جب سیکریٹری صاحب نے ٹیم کا اعلان کیا اور اس کی مایوسی کی انتہا نہ رہی ٹیم میں اس کا نام نہیں تھا۔ کچھ دیر کے بعد یہ مایوسی غصے میں بدل گئی، کیا کیا جائے پھر موقع پا کر کسی نے لفظ کرکٹ کی جگہ لفظ ہاکی لکھ دیا۔ کسی نے بھی نوٹس نہیں لیا صرف حیران ہوئے یہ کیسا ہاکی کا میچ ہے جو شام کے بجائے صبح 10 بجے شروع ہو گا خیر ہوتا ہے ہوتا ہے کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔ اور یوں دنیا نے یہ مضحکہ خیز نظارہ دیکھا کہ ہاکی کی کٹ میں کرکٹ کھیلی گیی ، ایک معصوم سی شرارت جس نے لوگوں کے چہروں پر ایک مسکراہٹ بکھیر دی خاص طور پر جب اصل معاملے کا پتہ چلا۔

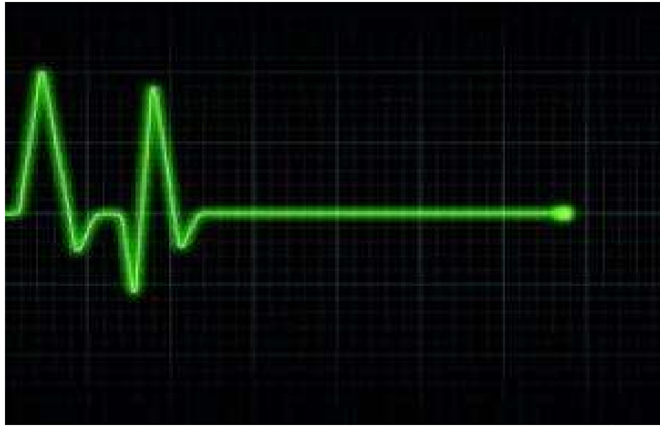


دل کا درد

15اپریل،2011

قسم:میری زندگی

بات تھوڑی پرانی ہو چکی ہے،10 محرم کی جو کہ 17 دسمبر 2010 کو آیا تھا۔ رات دو تین بجے کے قریب دل میں درد سا اٹھا، پہلے بھی ایک دفعہ ہو چکا ہے۔ ہم اکیلے رہتے ہیں بڑی مشکل سے ہواس حواس سنبھالے، اٹھ کر پہلے پانی پیا، پھر کسی ہسپتال جانے کا سوچا۔ بٹوے میں دیکھا تو صرف 120 روپے پڑے تھے، تو ہسپتال جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا، سیٹھ نے پچھلی دفعہ کچھ گولیاں لے کر دی تھی کہ کبھی ایسا ہو تو ایک زبان کے نیچے رکھ لینا، تلاش کی تو مل گئی، ایک زبان کے نیچے رکھ لی تھوڑی دیر بعد آرام آ گیا سو شاید بچ گئے، اور جب بچ گئے تو پھر ڈاکٹر کیسا، موت کا ایک دن تو معین ہے، آنی ہی ہو گی تو آ جائے گی۔ کون روک سکتا ہیں۔ ہم تو ویسے بھی ڈھیٹ ہیں اور موٹی کھال کے بھی، پر پھر بھی احتیاط نوٹ کر رہے ہیں کہ مبادا کبھی دو چار ہفتے تک نہیں آئے، کیونکہ اس سے پہلے کوئی نوٹس کرے گا ہی نہیں، تو ہمارے ایصال ثواب کے لیے فاتحہ خوانی کر لیجئے گا اور کوشش کیجئے گا کہ ہماری اگر کوئی بات اچھی لگی ہو تو وہ یاد رہے ہماری بری باتوں پر پردہ ڈالے رکھیے گا، آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔

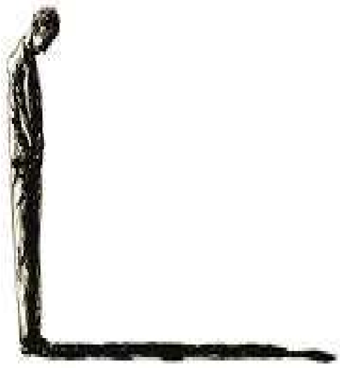


ھ

ہماری نالائقی

18اپریل،2011

قسم:میری زندگی



ہماری زندگی ایک مشین کی طرح ہے، سو کر اٹھتے ہیں تلاش روزگار پر چلے جاتے ہیں اور پھر واپس کھولی میں آ کر پڑ جاتے ہیں۔ ایک مشین کی طرح، ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ ہمارے آس پاس کیا ہو رہا ہے، ہاں کبھی کبھی اڑتی اڑتی سی خبریں ملتی ہیں تو ہمیں اندازہ ہوتا ہے، یہ بات سب کو عجیب لگے گی مگر ہمارے والد صاحب نے عمرہ کر لیا اور ہمیں پتہ بھی نہیں چلا۔ ہمیں تو کسی نے بتایا بھی نہیں اور نہ ہی ہمیں پتہ چلا، آج جب کسی صاحب نے مبارک دی تو ہم حیران ہوئے، پھر جب اس نے کہا کہ امید ہے انہوں نے ہمارے لیے بھی دعا کی ہو گی، تو ہمارے کان کھڑے ہوئے ہیں لیکن ہم نے اپنی حیرت ظاہر نہ ہونے دی۔
جب باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ والد صاحب عمرہ کر کے آج ہی واپس آئے ہیں، اب ہمیں سمجھ نہیں آ رہا کیا کریں۔ خیر مغرب کے بعد ایک پھولوں کا ہار پکڑیں گے اور دل پکا کر کے اور ہمت کر کے کم از کم مبارک تو دے ہی آئیں گے۔ جانے اللہ تعالی ہمیں ہماری اس کوتاہی پر معاف بھی کرے گا کہ نہیں، پر حقوق العباد کی معافی تو اللہ نہیں بندہ دیتا ہے، اور شرمندہ شرمندہ ہو کر چپ رہیں گے۔

نوٹ: یہ ستمبر 2019 کی بات ہے۔

دادی مرحومہ



"If I want to live happily ever after, grandma, do I have to marry a princess?"

ہمیں اکثر اپنی دادی بہت یاد اتی ہے حالانکہ اب تو ہمیں ان کی شکل بھی صحیح صحیح یاد نہیں ان کا انتقال اس وقت ہوا تھا جب ہم کافی چھوٹے تھے ہماری دادی مرحومہ کو گلے کا کینسر تھا ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تھا سب گھر والے پریشان تھے اور ان کو بچانے کے لیے کچھ بھی کرسکتے تھے کسی نے ایک عطائی بابا کا کہا جو منگھو پیر کی پہاڑیوں کے پیچھے کہیں رہتے تھے سب ان کو وہاں لے گئے اس عطائی بابے نے کچھ پڑھا اور ایک ہلکا سا چرکا ان کے بازو پر لگا دیا تھوڑا سا خون بہا سب اس عطائی بابا پر بہت ناراض ہوئے پر چرکا تو لگ چکا تھا سو واپس اگئے مگر چراغ آخر شب کی طرح جو بجھنے سے پہلے بھرپور ٹمٹماتا ہے دادی ایک دم ٹھیک ٹھیک سی لگنے لگی اور سب اس عطائی بابا کے کرشمے کے قائل ہوگئے اور اس کے دو ہفتے بعد ہی ان کا انتقال ہوگیا پر وہ سب تو یقینی بے یقینی کے ایک ایسے دوراہے پر چھوڑ گئے جہاں سے ان میں صرف وسوسے ہی رہ جاتے ہیں اور سامنے کی حقیقت پر یقین نہیں اتا یہ حقیقت امر ہے چراغ بجھنے سے پہلے خوب روشنی دیتا ہے شاید اس طرح صدمے کا اثر شوق کی کیفیت میں جا کر کچھ درد کم کر دیتا ہے

آزمودہ نسخہ

10اپریل،2011

قسم:میری زندگی

آج(1 اپریل،2009)این ائی ایچ ڈی گئے تھے، کوئی اور ٹیسٹ لکھ کر دیا ہے، ساڑھے تین ہزار کا ہے اور 13 تاریخ کا ٹائم دیا ہے، ہم نے تو ساڑھے تین ہزار دیکھتے ہی پرچہ بند کر دیا سوچ رہے ہیں کسی سے مشورہ کر لیں، ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ ویگن میں ایک شخص ملا اور باتوں ہی باتوں میں جب ہم نے اس کو معاملہ بتایا تو اس نے ایک نسخہ دیا، کہنے لگا ایک کپ سیب کا سرکہ یہ صحیح والا آپ کو جونا مارکیٹ میں کہیں سے ملے گا 100 روپے کا600ایم ایل اور 160 کا ایک لیٹر ایک کپ لیمن کا رس یعنی لیمو کا پانی ایک کپ ادرک کا رس ایک کپ لہسن کا رس، لہسن چھوٹا والا دیسی چینی نہیں جو کہ آج کل بازار میں مل رہے ہیں، ادرک لہسن کا رس آپ جوسر میں بنا سکتے ہیں ان سب کو ہلکے آنچ پر جوش دیں اتنا کہ یہ چار کپ تین رہ جائیں پھر ان کو ٹھنڈا کر لیں اور ان میں تین کپ شہد چھوٹی مکھی کا ہو تو اچھا ہے ورنہ کوئی بھی چلے گا۔ بوتل میں پیک کر لیں اور روز صبح دو چمچے نہار منہ کھائیں انشاءاللہ اگر شیانو کا مسئلہ ہو گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔ اب ہم سوچ رہے ہیں یہ تو دو دو مشورے کرنے پڑیں گے ایک ٹیسٹ کروائیں یا نہیں اور دوسرا کیا واقعی یہ دیسی نسخہ کام کا ہے یا نہیں۔



آئیں۔۔۔

قربانی کی مرغی

28مارچ، 2011

قسم: میری زندگی، زندگی کا مشاہدہ



ہم ہر سال بکرا تو نہیں کر سکتے تھے، البتہ گائے میں حصہ ضرور ڈالتے رہتے ہیں۔ اس دفعہ تو چینی بھی 110 سے 125 روپے فی کلو ہو گئی ہے اور بکرے کے ریٹ الامان، ہاتھوں سے نکل چکے ہیں۔ خیر ہمیں بکرے کے ریٹ سے کیا، ہم تو گائے کے حصے کے ریٹس پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ پر وہ بھی 6000 سے 9000 روپے تک ہیں۔ پچھلے سال 3850 روپے میں کام ہو گیا تھا۔ تقریباً دُگنے ریٹس پر ہم سٹ پٹا گئے ہیں۔ بڑی سوچ بچار کے بعد مولانا صاحب سے پوچھا کیا آدھا حصہ ہو سکتا ہے، ہنس پڑے اور پھر اپنے مدرسے کی گائے کے حصے کا ریٹ بتا دیا، ہم سر کھجاتے ہوئے باہر آگئے۔ بازار میں مرغی کے ریٹ پر نظر پڑی، حساب لگایا تو ڈھائی کلو کی مرغی بھی تقریباً 500 کی پارٹی نظر آئی۔ چند دن بعد مرغی کے ریٹ کچھ کم ہوتے نظر آئے تو فوراً مولانا صاحب کے پاس دوبارہ گئے اور بڑی عزت سے مرغی کی قربانی کیلئے فتوٰی مانگا، لالچ بھی دیا کہ دو اور ہو سکا تو تین بھی کر دیں گے، اشارے کنائیوں میں یہ بھی کہا کہ ایک آپ کی، پر مرغے کی ایک ہی ٹانگ، پھر ہنس پڑے، اور دوبارہ اپنے مدرسے کی گائے کے حصے کا ریٹ بتا دیا۔ ہم پھر سر کھجا کر جانے لگے تو پیچھے سے آواز دی آپ کیلئے رعایت کر دینگے۔ واہ صاحب قربانی نہ ہوئی کاروبار ہو گیا، جو ریٹس میں رعایت ہو سکتی ہے۔ ہم نے ہمت نہیں ہاری، دو چار اور مسجدیں تاڑلی ہیں، ایک آدھ مولانا رحم دل سے لگتے ہیں ہمیں امید ہے کوئی نہ کوئی مرغی کی قربانی کا فتویٰ دے ہی دے گا۔



تعلیم یافتہ وائرس

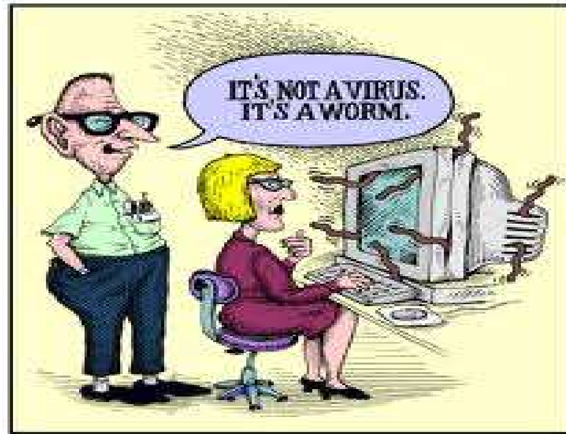
22مارچ، 2011

قسم: زندگی کا مشاہدہ



کسی کام سے ہم غلطی سے بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کے دفتر کراچی چلے گئے، یہ پچھلے سال کا واقعہ ہے، تو وہاں صاحب کے کمرے میں ایک نیا کمپیوٹر بھی پڑا دیکھا۔ جس پر گھر سے لایا ہوا ایک خوبصورت سا کمپیوٹر پوش کپڑا پڑا ہوا تھا، کشیدہ کاری کے خوبصورت کام سے آراستہ، بہت بھلا لگ رہا تھا۔

ہم نے ستائشی نظروں سے اس قدر دانی کو دیکھا اور اردلی کی طرف تعریفی نظر ڈالی، اردلی جانے کیا سمجھا، کہنے لگا، صاحب گھر سے لائے ہیں یہ کپڑا، سارا دن کمپیوٹر پر ڈالے رکھتے ہیں، وائرس کا بہت خطرہ ہے نہ آج کل۔



رضوی صاحب کا مرغا

23مارچ،2011

قسم:میری زندگی



ہم ہمیشہ سے ایسی یاسیت کا شکار نہیں رہے کافی ہنگامہ خیز بچپن رہا ہے۔ایک دفعہ رضوی صاحب کے مرغے کو ہم نے ان ہی کو کھلایا تھا۔ ہوا یوں کہ پکنک پر جانا تھا اور کچھ پاس بھی نہیں تھا، تو محلے سے رضوی صاحب کا مرغا پکڑا اور پکنک منائی، انصاف پسند لوگ ہیں ہم اس لیے انہی کے مرغے کی ایک ٹانگ روسٹ کر کے نہایت ہی نفاست سے



سلاد چٹنی کے ساتھ اور نان کے ساتھ شام کو ان کے گھر بھجوادی۔ انہوں نے بڑے مزے سے کھائی اور ہمارے پکانے کی کافی تعریف بھی کی۔اس کے بعد وہ ہفتوں تک محلے کی مختلف بلیوں اور بلوں کو مشکوک نظروں سے دیکھتے رہے مرغے نے نہ ملنا تھا نہ ملا اور ہم تو اپنی دانست میں ادھار اتار ہی چکے تھے۔ آخر سلاد نان اور پھر روسٹ کرنا اور نفاست سے پیش کرنے کی بھی تو صلاحیت ہونی چاہیے۔

ہم چلے تو ہمارے  سنگ سنگ نظارے چلے

مطلوب اور پپیتا

26مارچ،2011

قسم:میری زندگی،زندگی کا مشاہدہ۔

ہماری دادی کو پھولوں، پودوں کا بہت شوق تھا، گھر چھوٹا تھا مگر باہر برآمدے کے پاس تھوڑی سی جگہ خالی تھی، جس کو وہ اپنے شوق کیلئے استعمال کرتی تھیں، خیال وزیر ان کا نوکر جانے کہاں کہاں سے ان کے لئے پودے لے آتا تھا۔ ایک دفعہ پپیتے کا پودا لے آیا، دادی نے اس پر بہت محنت کی، بلکل اپنے بچوں کی طرح خیال رکھا، اور اس دن تو جیسے عید تھی، جس دن اس پر پہلے پپیتے کی کونپل دیکھی، اب تو اور بھی دولہا بنا دیا، پتے تک بار بار ملائم کپڑے سے صاف کئے جانے لگے، خیال وزیر تو رات کو اپنی چارپائی اس کے ساتھ ہی لگا کر سونے لگا۔ خیر اب اس میں پھل آنا شروع ہوا، پہلے پہل جب پکا تو سارے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، بڑے اہتمام سے، سارے گھر کو اس رات دستر خوان پر خاص طور پر جمع کر کے کھلایا۔ پھل بہت ہی عمدہ تھا، پھر تو جیسے پھلوں کی بارش ہونے شروع ہو گئی، پپیتے کے درخت کو بھی غالباً اپنی اہمیت کا اندازہ ہونے لگا، اور ہر نیا پھل پہلے سے بہتر اور ذائقہ دار ہونے لگا۔ خیر محلے میں بھی اس کی دھوم مچ گئی، ایک دن جب سب سو کر اٹھے تو جیسے شاک سا لگ گیا سب کو، ایک پپیتا کم تھا، خیال وزیر نے قسمیں کھائیں اور کسی کو یقین بھی نہ آئے کہ خیال وزیر ایسی کوئی حرکت کرے گا، مگر ایک پپیتا درخت پر سے کم تھا۔

خیال وزیر کی شامت آگئی، سب لعنت معاملات کرنے لگے، اور یقیناً اس کا وہ ہفتہ تو جہنم میں گزرا ہو گا، اس کا باہر سونا ابھی موقوف ہوا، اور گھر کے بچوں کی ڈیوٹی لگ گئی کہ رات کو اٹھ اٹھ کر دیکھیں خیال وزیر کیا کر رہا ہے۔ خیال وزیر بھی بے چارہ جیسے منہ چھپائے پھرتا تھا، کسی کو اس پر یقین جو نہیں آرہا تھا، خیر گھبرا کر گھر چھوڑ کر چلا گیا۔ مگر پھر ایک انہونی ہو گئی، ایک رات پھر ایک پپیتا غائب تھا، اب تو سارے گھر میں جیسے طوفان آگیا، اب تو خیال وزیر بھی نہیں تھا پھر یہ سب کیسے، خیر بچوں کی ڈیوٹی تبدیل ہوئی، اور اب وہ رات کو اٹھ اٹھ کر پپیتے کے درخت کی رکھوالی کرنے لگے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد پھر ایک پپیتا کم ہو گیا، سب کی تو جیسے راتوں کی نیندیں بھی حرام ہو گئیں۔ پھر چچا کو ایک ترکیب سوجھی، انہوں نے بجلی کا تار درخت کے گرد لگا دیا اور روز رات کو اس میں بجلی چھوڑ دیتے، کافی دن خیریت سے گزر گئے، خیال وزیر کو بھی دادی خود جا کر منا لائیں کیوں کہ یقین ہو گیا تھا کہ یہ کام خیال وزیر کا نہیں۔ خیال وزیر بھی خوشی خوشی واپس آگیا، اس کا بھی غالباً دل کہیں اور نہیں لگتا تھا۔



ایک رات بڑے زور سے کسی کے گرنے اور چیخنے کی آواز آئی، سب فوراً باہر نکلے مگر چور بھاگ چکا تھا۔ اگلے دن ہم نے دیکھا مطلوب لنگڑا کر چل رہا تھا، اس کی کہنی بھی چھلی ہوئی تھی، اور ہمارے گھر کے پاس بھی نہیں آرہا تھا اور اس کے ساتھ امتیاز بھی جو خوف زدہ خوف زدہ لگ رہا تھا۔ اس دن سے مطلوب کا نام مطلوب پپیتا پڑھ گیا۔ بعد میں شارق نے بتایا کہ اس کو کرنٹ بہت زور کا لگا تھا۔ اور وہ کافی دور جا کر گرا تھا، اور کمر میں بھی اس کے چوٹ آئی تھی۔ یہاں یہ واضح کر دیں کہ محلے میں بھی کافی لوگوں کے گھر میں کئی پپیتے کے درخت لگے ہوئے تھے، رضوی صاحب جو ہمارے پڑوسی بھی تھے، ان کے گھر تو نہ صرف پپیتے، بلکہ کیلے، آم، امرود، جامن، لیچی اور ایک کھجور کا بھی پیڑ تھا جو کہ نہ جانے کیوں بڑا نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے گھر کے آنگن میں بھی اور گھر کے باہر کی کافی سرکاری زمین پر بھی پوری کھیتی باڑی کر رکھی تھی۔ آج بھی اگر آپ ناظم آباد میں منظور مارکیٹ

جائیں، تو انکے گھر کے بعد ایک ویران سا اجاڑ باغیچہ نظر آتا ہے، اب صاحبِ فراش ہو چکے ہیں اور توجہ انہیں دے پاتے، شاید اس لئے ان کی ایک بیٹی تھی، بلو، موٹی سی، اب تو وہ کئی بچوں کی ماں بن چکی ہو گی۔

ناظم آباد نمبر 2 میں شاہد اسپورٹس آف ارشد کلینک، جو ڈاکٹر ارشد کو کافی عرصہ ہوا چلے گئے، سنا کہ کچھ غنڈے آئے تھے ان کے پاس، اسکے بعد سے وہ پاکستان ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ خیر ہم بھی کیا باتیں لے بیٹھے۔

کیسے کیسے لوگ
اپنے اپنے غم کے فسانے



ہمارے دل کو جلانے آجاتے ہیں
ہمیں سنانے آجاتے ہیں

ملّا اور چپلیں

18 مارچ، 2011
قسم: میری زندگی

ہم کو دادی جان نے خود جا کر مسجد میں سپارہ پڑھنے کیلیئے جمع کروایا۔ ہم اسے جمع کروانا ہی کہیں گے۔ مسجد میں بہت سے بچے جمع تھے۔ ہم بھی ان میں شامل ہو گئے۔ مولانا صاحب نے پہلے دو تین دن تو بڑے دھیان سے پڑھایا، اور ہم نے بھی ڈر ڈر کے دھیان سے ہی پڑھا، پر پھر آس پاس کی صحبت کا اثر ہونا شروع ہوا۔ اکثر لڑکیوں کی چوٹیاں آپس میں بندھے جانے لگیں، مولانا صاحب کی بینچ سے مینڈک نکلنے لگے، ان کی پگڑی بھی میز سے بندھے جانے لگی۔ ایک دفعہ تو حد ہی ہو گئی، مولانا صاحب کی چپل چھوٹی بڑی ہونے لگی۔



ہوا یوں کہ مولانا صاحب کی چپلوں جیسے، مولانا صاحب باٹا کی ہوائی چپل پہنا کرتے تھے، خیر ان کی چپلوں جیسے پر سائز ان میں کافی بڑی چپل خریدی گئی اور ایک عصر کی نماز کے بعد، ایک پیر بدل دیا۔ اب ان کے ایک پیر کی چپل تو ان کے سائز کی تھی پر دوسرے پیر کی چپل کافی بڑی تھی مجبوراً پہننا پڑی۔ اور بڑی چپل کے کرشمے سے ان کی چال بھی خوب مستانی سی ہو گئی۔ اس پر اکتفا نہیں، مغرب کی نماز کے بعد دوسرے پیر کی چپل بدل دی گئی، یعنی عصر کی نماز میں اگر دائیں پیر بڑا تھا تو اب بائیں پیر بڑا ہو گیا۔ عصر میں تو انہوں نے شاید اتنا دھیان نہ دیا، مگر مغرب کی نماز کے بعد تو شور مچ گیا ہر طرح کے وہم، جن میں بچوں کی شرارت سے لے کر جن بھوت کی آمد کے تذکرے ہونے لگے۔ ہم ہی کو چوکیدار رکھا گیا پر اگر چوکیدار ہی یہ کام کرتا ہو تو مجرم کیسے پکڑا جائے۔ پھر مولانا صاحب نے اپنی چپلیں اپنے پاس رکھنا شروع کر دیں بلکہ وہ ان چپلوں پر بیٹھنا شروع ہو گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی باقی بچے بھی چپلیں مدرسے کے اندر لانے لگے اور ان پر ہی بیٹھنے لگے۔ بڑے مولانا صاحب کو پتہ چلا تو وہ بہت ناراض ہوئے۔ سو مولانا صاحب اپنے ہجرے سے ننگے پیر ہی آنے لگے۔

ہم دو تین مہینے ہی جا سکے، ایک دفعہ پکڑے گئے۔ کافی پٹائی ہوئی، مولا بخش کے درشن ہوئے، مرغا بھی بنے اور ہم نے دوبارہ مدرسے نہ جانے کا تہیہ کر لیا۔ دادی سے مذاکرات کے بعد ہمیں مدرسے سے اٹھا لیا گیا اور باقی قرآن ہم نے محلے میں حجّن بی بی سے پڑھا۔ ویسے خدا گواہ ہے ہم نے ان کو کبھی تنگ نہ کیا۔

تراویح اور گاڑی

16مارچ،2011

میری زندگی



ہم نے گاڑی چلانا رمضان میں سیکھا۔ یہ رمضان کی برکتیں ہی تھیں جس کی وجہ سے مفت کی ایک گاری ہاتھ آتی تھی اور ہم سب اس پر مشق کرتے تھے۔

ہوتا یوں تھا کہ رمضان کے مہینے میں تراویاں پڑھنے پورا غول کا غول جایا کرتا تھا۔ شروع شروع تو پوری بیس پڑھا کرتے تھے، پھر جب سے معلوم ہوا کہ آٹھ کافی ہوتی ہیں تو آٹھ پڑھ کر باقی کے مشاغل میں لگ جاتے تھے۔ جس میں ملا پر جا کر نہاری کھانا، تیڑی پاپا کھیلنا اور ایسے ہی آوارہ گردی کرنا شامل تھا۔ گڈو نے کہا ایسے تو وقت ضائع کرنا ہے، کچھ کام کی چیز ہونی چاہیئے تو سوچا گاڑی چلانا سیکھنا چاہیئے۔ اب گاڑی کہاں سے آئے، سردیوں کے دن تھے، رات جلدی اور گہری ہوتی تھی، 9 بجے کے بعد ہی ہو کا عالم ہو جاتا تھا۔ ایسے میں، ہماری نظر، فہیم صاحب کے کرائے داروں کی گاڑی پر پڑی، ان کے گھر میں گیراج تھا نہیں، تو ان کی اور انکے کرائے داروں کی گاڑیاں باہر گلی میں کھڑی ہوتی تھیں۔ اب فہیم کو ساتھ ملا کر فہیم کی گاڑی تو استعمال کر نہیں سکتے تھے، تو اس کو بہلا پھسلا کر ان کے کرائے دار کی گاڑی استعمال کرنے پر راضی کر دیا، پر اس نے شرط رکھی کہ پیٹرول خالی نہ ہونا چاہیئے۔ تو ایمانداری سے سب حسبِ توفیق روپے دو روپے کا حصہ ڈالتے تھے تو ایک آدھ گیلن پیٹرول ڈلوانے پر بات طے ہوئی۔

اب ہم کرتے ایسا تھے کہ تراویحاں پڑھنے کے بعد کچھ دیر پروفیسر صاحب کے مکان کے باہر ٹھیلے پر بیٹھ کر انتظار کرتے تھے پھر موقع دیکھ کر فہیم صاحب کے پڑوسی کی گاڑی کو آہستہ آہستہ دھکادے کر گلی کے کونے تک لے جاتے تھے۔ پھر گڈو ہوشیار تھا، اس کو گاڑی بھی چلانا آتی تھی، اور بغیر چابی کے صرف تاروں گاڑی اسٹارٹ کرنا بھی، تو گلی کو کونے کر پہنچ کر جب گاڑی نظروں سے اوجھل ہوتی تھی اسٹارٹ کرتے، پیٹرول پمپ جاتے، پیٹرول بھرواتے اور نارتھ ناظم آباد بلاک L کے میدان میں پہنچ جاتے۔ وہاں کھلے میدان میں سب کے سب گڈو کی استادی میں باری باری گاڑی چلانے کی مشق کرتے اور دو تین گھنٹے بعد گڈو گاڑی چلا کر واپس لے آتا۔ ہم پھر گلی کے کونے پر گاڑی روک کر دھکادے کر گاڑی کو اس کی جگہ پر کھڑا کر دیتے۔ ایسے دس پندرہ دن تو چلا، فہیم کے کرائے دار کافی حیران ہوتے تھے، کہ اکثر گاڑی کا پیٹرول بڑھ چکا ہوتا تھا، اور بعض دفعہ گاڑی اپنی جگہ سے ہلی ہوئی بھی ہوتی تھی اور ان کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ ایسے کیسے ہوتا ہے۔

اور ایک دن، سب اچھی باتوں کی طرح ہمارے اس سیکھنے کے عمل کو بھی ختم ہونا تھا۔ ہوا یوں کہ ایک دن واپسی پر حسبِ معمول جب گاڑی کو دھکا دے کر اسکی جگہ پر کھڑا کیا تو الٹا کھڑا کر دیا۔ اب صبح تو طوفان آ گیا۔ کرائے دار صاحب نے تو پورے محلے کی میٹنگ بلا لی۔ کہنے لگے رات کو تو گاڑی میں پیٹرول ختم ہو گیا تھا، آج صبح اس میں تو اچھا خاصا پیٹرول ہے، اور رات کو انجن کا رخ گلی کے کونے کی طرف تھا اب اس کی الٹی طرف ہے، ضرور

یہاں جن بھوت ہیں۔ سوچو کیدار کی شامت آئی پر آفرین ہے، جی دار اور سمجھ دار آدمی تھا، حالانکہ جانتا تھا پر اس نے کسی کا نام نہیں لیا۔ لیکن اگلے پورے ایک ہفتے بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصے تک، فہیم کے کرائے دار صاحب نے باہر ہی کرسی ڈلوالی اور اپنے بھائی کے ساتھ پہرا دینا شروع کر دیا۔ ہم لوگوں نے بھی ازراہِ ردی اس پہرے میں ان کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ پر پھر ان کا مصمم ارادہ دیکھ کر سوچا کہ اب آگے دال نہیں گلنی تو امید چھوڑ دی۔

ویسے بھی رمضان ختم ہونے کو آئے تھے اور سب عید اور اس کے بعد کے مشاغل میں لگ گئے۔ پر اس رمضان میں، رمضان کی برکت سے کافی لڑکوں نے گاڑی چلانا سیکھ لی۔

باقی رہے نام اللہ کا۔

مانوس اجنبی

27مارچ،2011

قسم:میری زندگی، ٹائملیس میموریز

سرِ راہ ہماری ملاقات ایک پرانے شناسا سے ہوئی، باتوں باتوں میں کچھ آیام طالب علمی کا ذکر ہوا تو بات شکیل، مہدی، سعود، سے ہوتی ہوئی عتیق تک پہنچی۔ ہم نے اس کا اتا پتہ پوچھا تو فرمایا کہ شاید اس کا ای میل اڈریس ہے اس کے پاس، ہم نے التجا کی کہ ہم کو بھی دے دو، ہنسا اور وعدہ کرکے چلا گیا پھر کہاں وہ اور کہاں اس کا وعدہ۔



مگر چند دنوں پہلے ہمارے ای میل باکس میں ایک اجنبی سی ای میل تھی، جانے کیا سوجھا اس کو کھول کر پڑھ لیا، وگرنہ ہم ایسے انجان ای میلز کو داخل ٹریش کین کرتے ہیں۔ شاید کوئی چیز کھٹکی تھی کسی انجان انسان نے ہمیں 5 سے 6 ای میل ایڈریس بھیجے تھے، اور لکھا تھا کہ وہ خود بھی بھول گیا ہے کہ اس میں سے عتیق کا ای میل اڈریس کون سا ہے۔ اب ہمارے چودہ طبق روشن ہو کر اٹھائیس ہو گئے تھے، وہ سرِ راہ ملاقات یاد آئی پر کمبخت حافظہ، اس شخص کا نام نہیں یاد آیا، ہاں شکل ضرور یاد آئی۔ خیر ان تمام ای میل ایڈریسز پر ہم نے ایک تمہید باندھ کر اور پہلے معذرت کر کے عتیق کو پکارا، کچھ دن غالباً کچھ ہفتے خاموش گزرے، ایک دن ایک دیا ٹمٹمایا اور جواب آیا کہ ہاں وہ عتیق ہے۔ ہم نے محتاط ہو کر دوبارہ کچھ خاص باتوں کے ذکر کے ساتھ مثلاً حسن اسکوائر کے پیچھے کسی چرچ کے پانی کے ذخیرے کو ایک عرصے تک سوئمنگ پول سمجھ کر نہانا، یا موتی محل کے پیچھے کھیتوں سے مولیاں چرانا، یا پھر سولر سامبا کے بنانے کا ذکر کیا تو جواب مثبت آیا۔

مگر لگتا ہے وہ ہفتے میں ایک ہی دن نیٹ استعمال کرتا ہے، بات بہت مختصر کرتا ہے، صرف اتنا پتہ چل سکا کہ اس 11 دسمبر کو اپنی فیملی کے ساتھ حج پر جا رہا ہے اور 27 کو واپس آئے گا۔ باقی باتیں تب پتہ چلیں گی۔ خیر اللہ تعالیٰ اس کا اور اس کے خاندان کا حج قبول کرے اور ہم کو نماز سے زیادہ جوتیوں کا خیال رکھنے پر معاف کرے۔

شاعروں سے معذرت

13مارچ،2011
قسم:میری زندگی



ہمیں اکثر اپنی دادی بہت یاد آتی ہیں، اب تو ہمیں ان کی شکل بھی سہی سے یاد نہیں، انکا انتقال اس وقت ہوا تھا جب ہم کافی چھوٹے تھے۔

ہمارے دادا ایک علمی شخصیت تھے، حالانکہ ہمارا باقی تمام خاندان تجارت پیشہ ہے، اس زمانے میں جب لوگ پانچویں چھٹی پڑھ کر اٹھا لئے جاتے تھے، انہوں نے "بی-اے: ایل ایل بی" کیا تھا، حالانکہ خود ہمارے والد بامشکل میٹرک کر سکے۔

شاعری وغیرہ سے شوق تھا، ہمارا گاؤں دریائے چناب کے کنارے ہے، اور خاندان کے بوڑھے اور بزرگ بتاتے ہیں کہ وہ ہر سال چناب کے کنارے ایک بڑے مشاعرے کا انعقاد کرتے تھے، عام طور سے گرمیوں میں، کافی شعراء جمع ہوتے تھے، پھر حالات کی وجہ سے قمبر علی خان جو کہ غالباً سندھ میں کہیں ہے، وہاں چاول پالش کرنے کا کارخانہ لگایا۔

ہماری دادی شاعروں سے بہت چڑتی تھیں، ان کے خیال میں ہمارے دادا کی ناکامی کی وجہ یہ شعراء ہی تھے جنہوں نے انہیں کسی کام کا نہ چھوڑا، حالانکہ "بی-اے:ایل ایل بی" تھے، مگر جم کے وکالت بھی نہ کر سکے، حالانکہ ان کے ساتھ ہی کہ ایک وکیل بارسٹر محمد امین، قائدِ اعظم کے ساتھیوں میں سے تھے، اور خاندان کے بڑے بوڑھے بتاتے ہیں غالباً قائدِ اعظم ایک آدھ دفعہ باریسٹر محمد امین کے ہاں آئے بھی تھے۔ تو کیوں کہ ہمارے دادا بھی ایل ایل بی تھے، تو انہوں نے بھی غالباً قائدِ اعظم سے ملاقات تو ضرور کی ہو گی۔

واللہ عالم، بہر حال ہماری دادی شاعروں سے بہت چڑتی تھیں، ہماری والدہ بتایا کرتی تھیں کہ وہ ایک دن خاص طور پر قمبر علی خان کے ریلوے اسٹیشن گئیں، اور اسٹیشن ماسٹر سے کہا کہ اگر کوئی ہمارے دادا کا پوچھتا ہوا یہاں تک آئے اور اسکا حلیہ شاعروں جیسا ہو تو اسٹیشن سے ہی بھگا دیجیے گا۔ اب پتا نہیں اسٹیشن ماسٹر نے کبھی ایسا کیا ہو یا نہیں، البتہ ہنسا ضرور ہو گا۔

قمبر علی خان میں یہ زیادہ ٹکے نہیں، ایک تو ایل ایل بی اوپر سے شاعری کا شوق، پھر کہاں کارخانہ چلانا، ہمارے چاچا کا بھی اکثر مقامی لوگوں سے جھگڑا ہوتا تھا، مقامی کہتے ہیں اتنا بڑا سیٹھ، اور صرف ایک بیوی، یہ بات بھی دادی کو اچھی نہ لگتی، سو بوریا بستر لپیٹا اور کراچی آ گئے۔

ENGLISH TRANSLATION

I often remember my grandmother, though I do not remember her face, she died when I was too young .

My Grandfather was a literary personality, although all of our family belong to business class, but even when they use to discontinue education of boys when they were in 5th or 6th , he did his B A and then LLB.

even my father, hardly completed his metrics

My grandfather was very fond of poetry, and our village was near river Chenab , old folks of our family tell us , he used to organize an yearly " Mushaira " normally during the summer season , at the river bank, and many prominent poets used to attend it.

but then circumstances changed, and he had to shift to Qambar Ali khan a place in interior sind , where he set up factory of polishing rice.

My grandmother used to loath these poets, and was of firm opinion that the my grandfather's failure was due to the company of these poets, and although my grandfather was a LLB, he could not even practice law , although Barrister Mohammed Amin was one of his colleagues , and old folks of our family tell that Once even Quaid-e-azam visited Barrister Mohammed Amin, so maybe my grandfather too met Quaid-e-azam because he too was LLB .

God knows better. anyway, my grandmother did not liked poets , and my mother tells me, while in Qambar ali Khan , she once even went to the Railway Station and requested the station master , not to tell anyone , where my grandfather lives, especially if that some one looks like a Poet .

though I am not sure, station master would have entertained her request or not, but I am sure he must have had a hearty laugh.



My Grandfather could not stay longer in Qambar Ali Khan , because as my grandmother says, he was a poet and an LLB advocate , no chance of being a businessman or being industrialist .

the other factor was my Uncle, he would daily pick up fights with locals, as they would say ..

" Itna bara seth or bus aik Biwi " [Such a rich Seth and only one Wife..!!]

. that would infuriate him and also my grandmother …. so eventually they moved to Karachi for better or worse.

Hamari angerzai kamzor hey, koi ghalti ho to dar guzar ker deyjeeay gaa.

My English is weak, to please ignore if there are any mistakes in it.

اللہ تعالیٰ سے معذرت

25مارچ،2011

قسم:میری زندگی



ہم تو کچے پکے نمازی ہیں، اور یہ سچ ہے، بعض دفعہ مسجد میں ہم اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنی چپلوں پر دھیان رکھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ سے دل ہی دل میں معافی مانگتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں، تجھ کو بے شمار لوگوں کی بے شمار نمازیں مل جائیں گی ہماری آدھی کچی پکی ملے تو در گزر کر دے اور تو تو ویسے بھی چپل نہیں پہنتا ہو گا؟۔ مگر ہماری چپل گئی تو اس کڑ کتی دھوپ میں آدھا کلو میٹر ننگے پاؤں جانے کی شاید ہم میں ہمت نہ ہو۔ اور ہم جیسے کچے انسان کسی اور کو ننگے پاؤں نہ کر دیں اور دعاؤں کی بجائے، بد دعاؤں سے دامن نہ بھر جائے، تو یہ گھاٹے کا سودا ہو گا، لہذا ہمارا اپنی چپلوں پر دھیان رکھنا بجائے تیری عبادت پر، کو مجبوری کی مجبوری سمجھ کر معاف نہیں تو نظر انداز کر دے۔



ہاں یہ ٹھیک ہے، ہمارا بچپن ہنگامہ خیز تھا، اور ہم اسی مناسبت سے دنیا کے ساتھ بھی چل رہے تھے۔ پر زندگی میں بعض ایسے مقامات آ جاتے ہیں، جہاں سے آپ کی دنیا بدل جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں دنیا کی زندگی بے صباتی ہے، نہ کوئی اپنی مرضی سے آتا ہے، نہ ہی اپنی مرضی سے جاتا ہے، نا اس کا اپنی پیدائش پر اختیار ہے، نہ موت پر۔ ہماری زندگی میں بھی ایک ایسا موڑ آ چکا ہے، قصے کہانیوں میں لکھا ہوا ہے، اس موڑ کے بعد لوگ چاکِ گریبان کر کے جنگلوں میں نکل جاتے ہیں۔ ہمارا کھونٹا تو اب تک یہاں ہی گڑھا ہوا ہے۔ خیر یہ اب پرانی باتیں ہیں، ہم تو اب صرف باقی زندگی خاموشی اور سکون سے اسی تعلقی سے گزارنا چاہتے ہیں۔ بچپن کی کچھ یادیں، ماضی کے کچھ دریچے، ہم لوگوں کے لئے نہیں اپنے آپ کے لئے کھولتے ہیں، دھند سے بھی ابھرتی ہوئی تصویریں ہمیں وقت گزارنے میں سہولت فراہم کرتی ہیں۔

کامیابی، ناکامی مستقل نہیں، آج ہے، کل نہیں، پھر دنیا آگے بڑھ جاتی ہے، یاد بھی نہیں رہتا۔ کبھی لکھیں گے، گر ہمت ہوئی تو، فی الحال ہم ان تکلیف دیہہ یادوں پر وقت کی گرد ڈالنا چاہتے ہیں، نشتر شاید کند ہو جائے، زنگ آلود ہو جائے تو چوٹ شاید کم لگے۔ ہمیں معلوم ہے، یہ نشتر ہمیں ایک بار پھر کھانا ہو گا اپنے لئے سہی، مگر اب کے ہمارے اختیار میں ہے کہ کب۔

وہ یادیں مجھ کو بلائیں،

وہ یادیں مجھ کو رلائیں۔

گورنمنٹ کالج کی چڑیل

21مارچ،2011
قسم:میری زندگی



رکشہ والا اچانک رکشہ سے نکل بھاگنے لگا، پھر کچھ دور جا کر رک گیا، سب لوگ جمع ہو گئے معلوم چلا کہ کوئی اسپارک تھا اور وہ یہ سمجھا کہ کچھ پھٹنے والا ہے۔ اس لئے رکشہ چھوڑ کر بھاگا تھا۔ آخر اب اس ملک میں ایسا ہو سکتا ہے اس پر ہمیں اپنے بچپن کا واقعہ یاد آ گیا۔

پہلے گورنمنٹ کالج ناظم آباد کے دونوں دروازے کھلے رہتے تھے، اب تو وہاں سندھ اسپورٹس بورڈ آ گیا ہے، تو جو اس کو مین روڈ والا دروازہ تھا وہ اندر گلی میں نکلتا تھا اور اکثر لوگ بس اسٹاپ سے اتر کر گورنمنٹ کالج کے اندر سے ہوتے ہوئے گلی میں آیا کرتے تھے۔ ایسا اکثر رکشا والے بھی کیا کرتے تھے۔ ہم لوگوں کو شرارت سوجھی، ندیم جس کا رنگ تھوڑا زیادہ ہی گندمی تھا، اس نے تھوڑی سی اور پالش منہ پر لگائی اور سفید رنگ سے اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک سی لگائی، اپنی والدہ کا برقع پہنا اور گورنمنٹ کالج کے اندر گورنمنٹ اسکول کے پارک کے کونے پر کھڑا ہو گیا۔ اسی راستے سے نمازی بھی گزرتے تھے، مغرب کے بعد کا ٹائم تھا پر ابھی عشاء کی آذان میں دیر تھی، تو نمازی اس وقت کوئی نہیں تھا۔

شومیٔ قسمت، ایک رکشہ والا اندر آ گیا، ندیم جو کہ برقعہ میں تھا اس نے اس کو ہاتھ دے کر روکا اور رکنے پر بیٹھ گیا اور چلنے کا اشارہ کیا، رکشہ والا بھی بغیر پوچھے چل پڑا، جانے کن خیالوں میں تھا، پر جیسے ہی باہر گلی میں نکلا خیال آیا کہ سواری سے پوچھوں کہ جانا کہاں ہے، جیسے ہی پیچھے مڑا پوچھنے کیلئے ندیم نے اپنا برقعہ کا نقاب الٹ دیا اور ایک تھیلی آگے بڑھاتے ہوئے اس سے بولا، "مونگ پھلی کھائے گا"۔ اب سیاہ چہرہ اور سفید ہونٹ، اوپر سے سفید سفید دانت، اس کے تو ہوش اڑ گئے ہونگے۔ رکشہ سے نکل کر ایسے بھگت بھاگا کہ شاہد اسپورٹس پر ہی جا کر دم لیا۔ مگر پھر پیچھے سے لڑکوں کے قہقہوں کی آواز آئی تو واپس آیا، اتنے میں ندیم نے بھی برقعہ اتار دیا تھا اور لڑکوں کے ساتھ کھڑے ہو کر ہنس رہا تھا۔ واپس آ کر اتنے سارے لڑکے جو دیکھے، لڑنے کی تو ہمت شاید اسے نہ ہوئی ہو، بس یہ کہہ کر کہ میری تو جان ہی نکال دی، ہم سمجھا کوئی چڑیل ہے، وہاں سے اپنا رکشہ لے بھاگا۔ بعد میں گلی کے اگلے کونے پر کافی دیر کھڑا رہا، غالباً اپنی سانسیں درست کرنے کیلئے، اس پر فوزی نے ندیم کو منع کیا کہ اب مزید ایسا نہ کرے، کیوں کہ ایسے شوق سے کوئی بڑا نقصان بھی ہو سکتا ہے۔



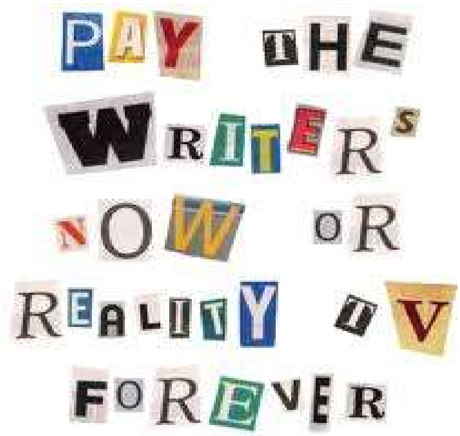
پر ندیم نہ مانا، مگر اب بے کار ہی تھا، کیوں کہ لڑکے بھی اب اس کے ساتھ ہی جا کر کھڑے ہو گئے اور اس کو بدتمیزی کے ساتھ چڑھانے لگے اور مجبوراً اس کو گھر واپس آنا پڑا۔

ہماری فراغ دلانا پٹائی

6اپریل،2011

قسم:میری زندگی،زندگی کامشاہدہ

اپنے ایک دوست کے ساتھ سلمہ ہاؤس جانے کا اتفاق ہوا، یہ نارتھ ناظم آباد میں کہیں ہے۔ سلمہ ہاؤس میں انہوں نے ایک بینک ٹائپ کا کچھ بنالیا ہے، جس میں لوگ ان کے پاس جا کر پیسے جمع کرواتے ہیں اور وہ اس پر منافع دیتے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم اس طرح پرائیویٹ بینک بنانا لیگل بھی ہے کہ نہیں، خیر اس نے وہاں کسی صاحب سے ملنا تھا اور وہ صاحب مل نہ سکے، واپسی میں اس نے دکھایا کہ یہ وہ کوٹھی ہے جہاں کسی زمانے میں ڈاکٹر عشرت العباد رہتے تھے۔ باہر دو تین لڑکے اسلحہ لے کر غالباً چوکیداری کر رہے تھے۔



ابھی ہم اس گلی سے نکلے ہی تھے کہ ایک موٹر سائیکل پر سوار دو لڑکے آگئے اور ہم دونوں کو روک لیا۔ آگے بیٹھے ہوئے لڑکے نے ٹی ٹی نکالی اور بولا جو کچھ ہے دے دو، ہم نے ہاتھ اٹھا کر اس سے کہا ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں وہ طیش میں آگیا، ہماری گدی پر ایک جھانپڑ مارا، ہم گر گئے، کے پیچھے بیٹھے ہوئے لڑکے نے ہمارے سینے پر ٹانگ رکھ دی اور پہلے لڑکے نے ہماری تلاشی لی، ہم نے پھر کہا دیکھ لو کچھ نہیں پر اس دفعہ اس کے جواب میں پسلی پر ایک زوردار لات پڑی، ہم درد سے دوہرے ہو گئے۔ پیچھے غالباً انہوں نے ہمارے ساتھی کی بھی تلاشی لی اور جو کچھ اس کے پاس سے نکالے گئے۔

اگلے دن ہمیں ہمارے ساتھی نے کہا پھر چلنا ہے، پہلے تو ہم نے انکار کیا اور پھر یہ سوچ کر کہ اکیلا جائے گا تو اس کا ساتھ دینے کا ارادہ سے ساتھ ہو لیے ۔ خیر اس دفعہ جن صاحب سے اس نے ملنا تھا وہ مل گئے اور اس کی بات ہو۔ گئی واپسی میں جیسے ہی ہم اس گلی کے آگے سے گزرے جس میں ڈاکٹر عشرت العباد صاحب کا گھر ہے تو ہم نے دیکھا وہی دونوں ڈاکو ان کے پہرے داروں کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں اور خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ انہوں نے شاید ابھی ہمیں نہیں دیکھا تھا، ہم دونوں تو وہیں سے الٹے پاؤں مڑے اور ایسے بھاگے کہ سیدھا ٹوکے کے اخری سٹاپ پر جا کر دم لیا، اور ہم بس میں بیٹھ کر سڑک پر پڑی پان کی لاتعداد پیکوں کو دیکھتے ہوئے یہ سوچنے لگے کہ کچھ بھی تو نہیں بدلا۔ آٹھ سال کی بلا شرکتِ غیری کی بادشاہت کے بعد بھی۔

اللہ ہم سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے، اور نہ ظالم کرے، نہ ظالم کے ساتھ کرے، نہ ظالم کے حوالے کرے،۔

نوٹ: یہ جولائی 2008 کا واقعہ ہے اور شہر کی موجودہ حالات جس میں بھتہ خوری اپنے مخالف گینگ سے کاروباری اور بھتہ خوری کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں اس لیے یاد آگیا۔

کچھ تزکرہ تراویح کا اور آلو گوشت کا



روزے تو پورے ہی ہو جاتے ہیں اب تو چھ روزہ تراویح, 10 روزہ تراویح,اور جانے اور کتنے حسب ضرورت مختصر ترین سیشنز کے ذریعے ایک مہینے کا کام ان میں ہو جاتے ہیں قران ختم کرنا ہوتا ہے تو وہ چھ دن والی تراویح کی نشست میں کرلیں باقی سارا مہینہ باقی کام کرلیں زیادہ جوش چڑھے تو دس روزہ تراویح جس میں تلاوت اور ترجمہ بھی ہوتا ہے وہاں چلے جائیں خیر کیا صحیح ہے کیا غلط مقصد تو عبادت ہے اور اس کے قبول ہونے کی آس سو وہ تو تمام عمر ہی رہے گی وہ بے نیاز ہے جب مرضی ہو گی قبول کرلے گا دعائیں اور پوری کر دے گا حاجت چاہے قبر میں لٹکے ہوئے پاؤں نکلنے کی بھی تک وقت نہ ملے چھوڑیں رمضان کی برکتوں سے فیض یاب ہوں اور سب کے لیے خلوص دل سے اچھی اچھی دعائیں کریں ہم بھی ایسے ہی دعائیں کرنے کی کوشش کرتے ہیں پھر دل ہی دل میں اپنے اپ سے شرمندہ ہوتے ہیں کیونکہ ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتی خیر مستقبل کا پتہ نہیں اب تک تو زیادہ شکایت کر نہیں سکتے جانے کب نظر ہماری طرف ہو اور کچھ آس پوری ہو ہماری دنیا تو باقی لوگوں کی طرح امید پر ہی قائم ہے۔

آج کل سب کچھ ریڈی میڈ پر گزارا ہے فاسٹ فوڈ اور ہم نے نوٹ کیا ہے اکیلے ادمی کے لیے وہ سستا بھی پڑتا ہے 60 روپے کی قورمے کی پلیٹ سے بعض دفعہ تو تین ٹائم یا دو دن ارام سے گزارا ہو جاتا ہے بس نان روٹی گرم لانا پڑتا ہے اور پھر اس سے نکال کر دوبارہ گرم کرنا پڑتا ہے وگرنہ ایک آدمی کے لیے خود سے بنانے بیٹھو تو 100 سے 130 کا خرچہ ہو جاتا ہے تین ٹائم کے کھانے کے لیے اور پھر بازار کی پروفیشنل انداز سے بنی ہوئی جیسے ہر کوئی بنا بھی نہیں سکتا کہتے ہیں پکانے کی ریسیپی حاصل کرنا آسان ہے پر پکانے والے کے ہاتھ کا ذائقہ نہیں ملتا ہماری دادی کے ہاتھ کا پکا ہوا آلو گوشت اور ہماری امی کے ہاتھ کے پکے ہوئے آلو گوشت کو ہم دور سے ہی پہچان جاتے ہیں بالکل ایسے جیسے ڈاکٹری وہ سب کو اسکتی ہے پر شفا کسی کسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے ایسے ہی ہر ہاتھ کا ذائقہ الگ الگ ہوتا ہے بہت ساری چیزیں ہوتی ہیں الو کاٹنے کا سائز گھی گی مقدار مصالحے کا فرق پھر اس میں ڈالے ہوئے گوشت وغیرہ وغیرہ اور یہ بات کہ ہر کسی کے ہاتھ کا

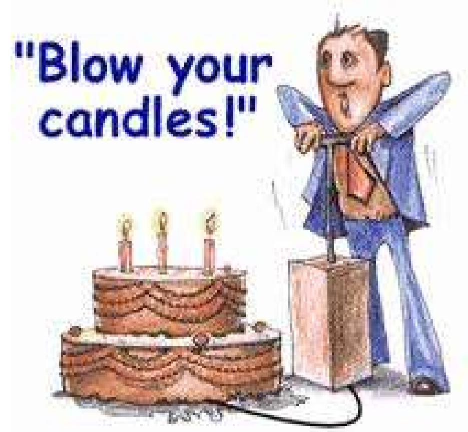


ذائقہ مختلف ہوتا ہے ہماری دادی اس میں تھوڑا سا زیرہ ڈال دیتی تھی اور والدہ اس پر دھنیا دادی کا بنا ہوا آلو گوشت نان کے ساتھ کھانے میں مزہ آتا تھا اور والدہ کا آپ ہنسیں گے پر ڈبل روٹی کے ساتھ ہمیں پکانا آتا تو ہے پر پکانے کے جھنجٹ بہت ہیں برتن پھر چولہا پھر مصالحے رکھنے پڑتے ہیں پھر پکانے کے بعد سب بچا ہوا فرج میں رکھنا پڑتا ہے برتن دھونے پڑتے ہیں اس سے بھی خرچہ بڑھتا ہے پھر جب فرج میں رکھتے ہوئے برتن کا سالن ختم ہو جائے تو اس کو دھونے تو واقعی بہت مشکل ہو جاتا ہے سارا سالن اس پاس کناروں پر جم جاتا ہے جو پھر کافی محنت کے بعد دھلتا ہے سو اپنی

سہولت اور اسانی کے لیے اسان راستہ آس پاس کافی ہوٹل ہے سب کے سب زندہ باد رمضانوں میں ایساہی ہوتا ہے خواہ مخواہ میں لگتا ہے کہ بہت تھک گئے ہیں بہر حال ہمیں اب جانا ہے سیٹھ کا آرڈر ہے آلو گوشت پر اب پھر کبھی بات ہو گی

نوٹ یہ آلو گوشت کا احوال ہمارے چند اسکرپیں کی کاپی پیسٹ ہے۔

2012 کی ہماری سالگرہ



آج 27 جنوری 2012 ہے آج سنا ہے ہماری سالگرہ ہوتی ہے آج کافی لوگوں نے ہمیں سالگرہ کی مبارکباد دی ہے آفس میں ایک بار پھر ہر سال کی طرح چندہ کر کے ہمارے لیے کیک بھی لایا گیا اس کے ساتھ چائے بھی اور سموسے بھی حسب معمول سیٹھ نے ایک لفافے میں ہمیں سالگرہ کا تحفہ الگ سے دیا اگلے مہینے کے کھولی کے کرائے میں کام آئے گا کچھ لوگ مشکوک ہیں کہ ہماری سالگرہ ہے بھی کہ نہیں ہم نے بڑی ہمت کر کے اپنی امی جان کو فون کیا انہوں نے بھی مبارکباد دی اور گلا کیا کہ ہم اب تو گھر اجائیں ہم چپ سے ہی رہے پھر ہم نے اپنا صندوق کنگھالا اس میں میونسپلٹی کا ہمارا برتھ سرٹیفکیٹ بھی رکھا تھا اس پر بھی یہی تاریخ ہے اور اس پر سرکاری دستخط افیسر بابو کے دستخط مہر کے ساتھ موجود ہیں ساتھ ہی ہماری کچی پہلی کی رپورٹ کارڈ بھی پڑی تھی اس پر بھی یہی تاریخ ہے اس پر تو ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب کے سخت بھی ہیں سو یہ تو یقینا ہماری سالگرہ آج ہی ہے باقی کتنے سال کے ہیں ہم تو یاد آیا اکثر لوگ ہماری باتیں سن کر کہتے ہیں اب جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش اور ایسی باتیں واللہ عالم بالصواب

ویسے ہم نے ایک نجومی سے زائچہ نکلوایا تھا بلکہ ایک سافٹ وئر کے ذریعے خود نکالا تھا اس کے مطابق ہم 26 جنوری کو رات 11 بج کر ٹھیک 24 منٹ پر پیدا ہوئے تھے اسی لیے امی کہتی تھی کہ ہم رات کو 12 بجے پیدا ہوئے تھے واللہ عالم بالصواب

حکیم سعید صاحب سے ایک ملاقات

20مارچ،2011

قسم:میری زندگی



شاہد اسپورٹس سے ہم نکلے ہی تھے کہ چھوٹے خالد سے ٹکراؤ ہو گیا، ان دنوں اس کا ڈنکا بولتا تھا، معمولی تکرار پر اس ہماری خوب پٹائی کی۔ مجمع لگ گیا اور ارشد کلینک کے کمپونڈر نے آکر ہمیں بچایا۔ ضربیں شدید تھیں، سارا جسم سوجھ گیا مگر مجال ہے جو ہم نے گھر میں کان وکان خبر بھی ہونے دی ہو۔

معاملہ ٹھنڈا نہیں ہوا، کچھ دنوں بعد، چھوٹا خالد ہمیں سائیکل پر نظر آیا، شاہد اسپورٹس سے سائیکلیں بھی کرائے پر ملتی تھیں، ہم نے اس کی چلتی بائیک پر لات مار کر اس کو گرا دیا۔ اور پھر اس کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا، بہت مارا۔ سب لوگ صرف تماشہ ہی دیکھتے رہے، پھر جب ہماری طبیعت بھر گئی تو اس کو وہیں سڑک پر لمبا چھوڑ کر چلے آئے۔ وہ دن اور جب تک ہم اس علاقے میں رہے، جب بھی ہم دونوں کا آمنا سامنا ہوتا تو دونوں کنی کترا کر نکل جاتے۔ پھر ہم دونوں میں ایک دوسرے سے الجھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔



ایک شام منظور مارکیٹ کے سامنے چھوٹے سے تکونے میدان میں ہم کرکٹ کھیل رہے تھے۔ پیچھے ہی ہمدرد لیبارٹری کا گیٹ تھا۔ اچانک ایک گاڑی آکر رکی اور اس میں سے حکیم صاحب نکلے۔ کچھ دیر اپنے کاریگروں سے باتیں کرتے رہے، پھر جانے کیا سوجھی ہم لوگوں کی طرف آگئے اس وقت جمال بولنگ کروا رہا تھا، فوزی بیٹنگ کر رہا تھا اور ہم وکٹ کے پیچھے کھڑے تھے۔

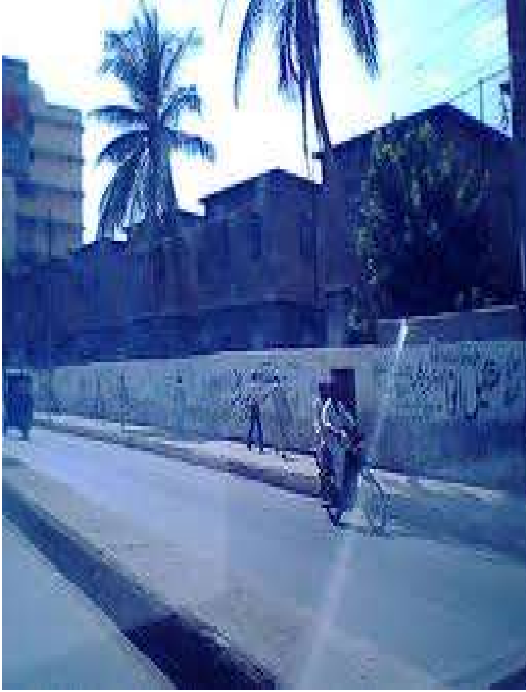
کچھ دیر دیکھتے رہے، ناصر جو وہیں کہیں کھڑا تھا اس کو جانے کیا سوجھی حکیم صاحب سے بول پڑا، حکیم صاحب کھیلیں گے؟ ہم سب کو سانپ سونگھ گیا۔ کہاں حکیم صاحب اور کہاں ہم سب چھوٹے چھوٹے بچے مگر جانے حکیم صاحب کو کیا سوجھی مسکرائے، کچھ سوچا پھر کہنے لگے لاؤ دیکھتے ہیں۔ ایک دو دفعہ تو جمال کی گیند ان کے بلے کے پاس سے گزر گئی، غالباً جمال کا سیروں خون بڑھ گیا ہوگا، مگر کب تک، اگلی ہی بال حکیم صاحب کے بلے پر چڑھ گئی، اور سیدھی گورنمنٹ کالج کے اندر، آج تک ہم میں سے کسی نے اتنی اونچی اور دور تک کی ہٹ نہیں لگائی تھی۔ حکیم صاحب مسکرائے اور بلا واپس کر کے ہم سب بچوں کو چند نصیحتیں کیں، جن میں وقت کی پابندی کا خاص طور پر تذکرہ کیا، جو ہمیں آج تک یاد ہے، اور پھر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ یہ حکیم محمد سعید صاحب تھے جو کہ ہمدرد لیبارٹری کے مالک تھے، بعد میں کراچی کے گورنر بھی بنے۔ اور کہتے ہیں متاصب لوگوں نے اپنا کام نہ ہونے پر ان کو برنس روڈ پر دن دہاڑے قتل کر دیا، اور شومیٔ قسمت ان کے قاتل آج بھی بلا جھجھک دن دہاڑے کھلے عام پھرتے ہیں۔ خاص طور پر چھوٹا سلیم، جس کو سونے کی چین پہننے کا بہت شوق ہے، سنا ہے آج کل بینکاک میں ہے۔

بدلتے ہیں رنگ، یہ جہاں کیسے کیسے،
زمیں کھا گئی، نوجوان کیسی کیسی۔

درد ٹپکے ہے

29مارچ، 2011

قسم:میری زندگی، زندگی کا مشاہدہ



مرزا صاحب بھی گزر گئے، محلے میں نواب کہلاتے تھے، واقفانِ حال بتاتے تھے کہ میرٹھ میں کباب کا ٹھیلا تھا، 48 میں یہاں آئے، بھانجے کے ساتھ مل کر کہ جو متروکہ املاک میں اردالی لگ گیا تھا کافی جائیداد اپنے نام کروالی۔

انتقال فرما چکے ہیں سو، زیادہ نہیں کہیں گے، پر ایسا کوئی بھی معاملہ ہو تو مناسب دام لے کر کام کروا دیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ان کے بہت سے رشتہ دار بھی جونک در جونک آئے اور بہت مستفید ہوئے۔ رتن تلاؤ پر اب بھی ان کے بہت سارے رشتہ دار جن کی نیو کراچی اور سرجانی میں زمینیں الاٹ ہوئی ہوئی ہیں موجود ہیں۔ پھر بھانجے کے بیٹے کو جب داخلہ نہیں ملا تو سندھیوں کے سخت خلاف ہو گئے یہ اور بات ہے کہ بھانجے کے بیٹے کے نمبر ہی تھرڈ کلاس تھے۔ پھر ان کے خاندان کے لوگ قانون نافذ کرنے والوں سے چھپتے پھرے کیوں کہ کئی بوری بند لاشوں نے ان کی طرف اشارہ کیا تھا مگر یہ تو جدو جہد کر رہے تھے اور بقول ایسے مقدمات سیاسی ہیں اور کوئی ثبوت بھی نہیں۔

پھر سننے میں آئی کہ ان کے آپس میں بھی جھگڑے شروع ہو گئے، اور دو دھاروں میں خاندان بٹ گیا۔ کچھ لوگ تو نقل مکانی کر کے پنجاب چلے گئے، حال ہی میں واپس آئے ہیں، مگر پچھلی دشمنیاں تو ابھی باقی ہیں۔ پچھلے تین سال میں ان کے خاندان کے کئی لوگ آپس کی ٹارگیٹ کلنگ کا شکار ہوئے ہیں، کیوں کہ نام کی تختیاں تو خود انہوں نے ہمیں دکھائیں جو مختلف چوکوں پر آج کل آویزاں کی جا رہی ہیں۔ یہ تختیاں بلا تفریق لگ رہی ہیں۔ کہ کون دشمن تھا اور کون سجن۔ بس ایک نام ہونا چاہیے۔ خیر چھوڑیں ہم بھی کن چکروں میں پڑھ گئے۔ موجودہ سیلاب کی

صورتحال دیکھ کر، بار بار یہ باغیانہ اور کافرانہ خیال ہمارے ذہن میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ صرف غریبوں کو ہی نشانہ کیوں بنا رہے ہیں اور چور لٹیروں کو مزید نواز رہے ہیں۔ ہمارے ایک دوست سیلاب زدہ علاقوں میں گئے، ان کے مطابق وہاں لوگ اب صرف انتظار کر رہے ہیں جانے کس چیز کا۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ اب جو کرنا ہے خود کرنا ہے کوئی نہیں آئے گا۔ پر شاید یہ صبحِ نو کی روشنی سے پہلے والا مہیب اندھیرا ہے۔ ہائے کمبخت امید، یہ سب سے بری بلا ہے۔

نوٹ: یہ پچھلے سال سیلاب کے بعد لکھا تھا۔

جاوید

15 مارچ، 2011

قسم: میری زندگی



ایک دن ہماری دکان کے پاس ایک رکشہ آکر رکا اس میں سے ایک شخص جس کی ایک ٹانگ نہیں تھی، اترا ہم سے کچھ سودا خریدا، اور ٹرانسپورٹ کا نام بتا کر کہ فلاں ٹرانسپورٹ پر بلٹی کروا دیجئے گا، میں شام کو آکر بلٹی لے جاؤں گا، چلا گیا۔ مارکیٹ کے دوکانداروں نے ہمیں بتایا کہ یہ پنڈی کا ایک دوکاندار ہے، دو بھائی ہیں اور ایک والد صاحب، تینوں اپنا الگ الگ کام کرتے ہیں۔ ساتھ ہی تاکید کی کہ نقد تو ٹھیک ہے ادھار کبھی ان سے غلطی سے بھی نہیں کیجئے گا۔ ہم نے بات گرہ میں باندھ لی۔ پھر ایک دن اس کا ایک خط آیا، لکھا تھا، خود نہیں آسکتا، لہذا خط لکھا ہے، خط کے ساتھ ایک ڈرافت بھی تھا اور مال کا آرڈر بھی۔ آرڈر پورا کرنے کے بعد بھی اس کے 1000 یا 1500 روپے بچتے تھے، ہم نے اسے فون کیا کہ آپ کے 1000 یا 1500 بچتے ہیں کیا کریں، واپسی کا ڈرافت بنوایا تو کمیشن آپ کو دینا ہو گا۔ وہ ہنسا اور کہنے لگا، ہمارے حساب میں رکھ لیں، ہمارا ماتھا ٹھانکا کہ یہ تو ادھار کا چکر شروع کرنے والے ہیں، خیر کچھ سوچ کر رکھ لئے۔

پندرہ بیس دن بعد دوبارہ اس کا خط آیا، پھر وہی ڈرافٹ تھا اور اس سے کم کا آرڈر، اب اس کے کھاتے میں تقریباً 5000 ہماری طرف نکلنے لگے۔ پھر مہینے بعد بھی ایک ڈرافٹ آیا، ان کا آرڈر زیادہ تھا اور کوئی 1200 یا 1400 اس کی طرف نکلنے والے تھے، ہم مشکوک تھے سو ہم نے ایک آدھ آئٹم کم کر دیا اور اس کو فون کر دیا کہ یہ آئٹم فی الحال ہے ہی نہیں۔ اس طرح اسی کے کچھ پیسے پھر ہماری طرف نکلے۔ خیر یہ سلسلہ چھ آٹھ مہینے چلا، اور جانے کیسے اس کی طرف 8000 سے 10000 کا ادھار ہو گیا، کیوں کہ اس کی طرف سے ابھی تک کوئی تکلیف نہیں ہو رہی تھی اور کاروبار باقاعدگی سے ہو رہا تھا، ہم نے زیادہ خیال نہیں کیا۔

ایک دفعہ اس کا فون آیا، ہمارے اسکی طرف کوئی 12000 سے اوپر ہو گئے تھے، کہ اس نے ڈرافٹ بنوایا تھا ملازم سے کہیں گر گیا ہے، وہ خود اپنی معذوری کی وجہ سے آ نہیں سکتے لہذا اگر ہم کسی کو بھیج دیں تو وہ اس کو نقد اسی وقت ادائیگی کر دے گا، آرڈر کوئی نہیں دیا۔ ہم بھی لاہور میں، صبح شام صرف چکی کی طرح، دکان اور دکان سے گھر کے چکر میں پھنسے ہوئے تھے، سوچا لاہور سے نکلنے کا موقع اچھا ہے، ویسے بھی لاہور سے پنڈی کا راستہ جی ٹی روڈ سے 5 سے 5 گھنٹے کا ہی تو ہے، صبح نکلیں گے، شام کو واپس آجائیں گے۔ سو اس کو فون کیا کہ ہم خود آرہے ہیں اور اگلی صبح پانچ بجے ہی اسٹیشن سے پنڈی کیلیئے کوچ پکڑی اور تقریباً 12 ایک بجے ہی پنڈی پہنچ گئے۔

بابو بازار میں اس کی دکان تھی، اڈے سے اس کی دکان تک پہنچنا زیادہ مشکل نہ ہوا، بازار کے اکثر لوگ اس کو اور اس کے خاندان کو جانتے تھے۔ سب نے اشارے کی نیاؤں میں ہم کو صرف ایک ہی بات کی کہ ان سے ادھار نا کریے گا۔ مگر وہ تو ہمارے ساتھ ٹھیک چل رہا تھا، خیر وہ ہمارے آنے پر بہت خوش ہوا، ہمیں اپنے گھر لے گیا، ہمارے لئے خاص طور پر کھانا پکوایا تھا، پچھلی ادائیگی بھی کر دی اور اگلے آرڈر کے بھی نقد پیسے دے دیے کہ ہم بھیج دیں۔

اب تو ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا، ہمیں اس میں مزہ آنے لگا، اور ہم مہینے میں ایک آدھ دفع صبح صبح اسٹیشن سے پنڈی کی کوچ پکڑتے، 12 ایک بجے تک اسکے ہاں پہنچ جاتے، پچھلے پیسے لیتے، آرڈر لیتے اور 2 سے 3 بجے لاہور واپسی کی کوچ پکڑ کر 7-8 بجے تک لاہور واپس بھی آجاتے۔ یہ سلسلہ دو تین سال چلا، ہمیں پتا چلا کہ جاوید کا پنڈی میں ہونے والے بم بلاسٹ میں ٹانگ کٹ گئی تھی، شادی شدہ تھا پر اولاد نہیں تھی، بھائیوں اور والد سب کا الگ الگ کاروبار تھا، پر آپس میں بنتی نہیں تھی۔ لوگ اس کے بھائی اور والد کی چالاکیوں اور بے ایمانیوں کے قصے سناتے تھے، پر ہم سے تو وہ اب تک ٹھیک چل رہا تھا۔ خیر کیوں کہ کوئی پریشانی نہیں ہو رہی تھی لہذا کاروبار کر رہے تھے اس سے، اب اس کی طرف 25000 روپے سے اوپر بھی ہو جاتے تھے تو ہمیں زیادہ فکر نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن اس کا فون آیا کہنے لگا کہ اس کی بیوی شیخ زید ہسپتال میں ہے کسی نے اس کو زہر دے دیا ہے، جائیداد کا چکر ہے، ہم اگر کچھ کر سکیں تو کر دیں، نہیں پیسے نہیں مانگے تھے، پر اس کا مطلب تھا کہ علاج کیلیئے۔ ہمارا ایک دوست ہوا کرتا تھا آغا خان میں، ہم نے اس سے رپورٹس لے کر اس کو بھجوا دیں، اور اپنے – مطمئن ہو گئے کہ فرض ادا کر دیا ہے۔

پھر ایک آدھ ہفتے بعد کسی نے بتایا کہ اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، اس کے بعد بھی ایک آدھ دفعہ اس کا آرڈر آیا، اور اب کے اس نے ہمارے آنے سے پہلے ہی کسی اور کے ہاتھ ڈرافٹ بھجوا دیا تھا۔ خیر ہم بھی اور بے حس لوگوں کی طرح اس دنیا کے کاروبار میں گم ہو گئے، زیادہ دھیان نہیں دیا، پھر ایک آدھ مہینے بعد، اطلاع آئی کہ اس کا بھی انتقال ہو گیا ہے، غالباً بیوی کی موت کے صدمے کو وہ برداشت نہیں کر سکا، ہماری کمینگی، ہمیں فوراً اپنے پیسے یاد آ گئے، کوئی 24000 روپے سے اوپر کی رقم تھی۔ اس کے والد اور بھائی سے رابطہ کیا تو وہ تو صاف مکر گئے، کہنے لگے، سب کو پتا تھا کہ ہمارا اور اس کا کوئی تعلق نہیں تھا تو ہم تو اس کے ذمہ دار نہیں، رو دھو کر چپ ہو گئے۔

چار چھ مہینے بعد ایک دن کسی کا فون آیا، کہنے لگا میں جاوید کا بھتیجا ہوں آپ کی رقم نکلتی ہے، وہ مجھ کو تاکید کر گئے تھے آ کر لے جائیں۔ ہم حیران ہوئے اور اپنی خوش قسمتی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ ہمیں پھر پنڈی جانا پڑا، اس کے بھتیجے کی بھی دکان راجا بازار کے پیچھے کہیں گلیوں میں ہی تھی، بڑی مشکل سے ڈھونڈ کر اس تک پہنچے۔ اس نے رقم پوری نہیں دی پر ایک آس تو بن گئی اور تقریباً چھ ماہ تک چکر لگانے کے بعد پیسے پورے مل گئے۔ کاروبار میں غصہ نہیں کرنا ہوتا، خاص طور پر جب کسی سے پیسے لینے ہوں وہ بھی ڈوبے ہوئے، تو ہم نے صبر سے کام لیا اور کامیابی پائی۔ پیسے نکلنے کے بعد ہمیں تجسس ہوا کہ اس کو ہمارے پیسے ادا کرنے کا خیال کیسے آیا، کیوں کہ ہم تو اس کو جانتے بھی نہیں تھے اور اس کا ہم سے کوئی واسطہ بھی نہیں تھا۔ وہ اگر نہ دیتا تو ہم کیا کر سکتے تھے۔ اس نے تو نہیں بتایا، مگر اس کے ایک ملازم نے بتایا، کہنے لگا جاوید صاحب ان کے ذمے ہماری رقم کر گئے تھے، انکی نیت بھی زیادہ ٹھیک نہیں تھی، پر پھر جاوید صاحب انکو خواب میں آ کر ڈرانے لگے، جس رات وہ ان کو خواب میں آتے تھے، صبح ان کی حالت ہی بدلی ہوئی ہوتی تھی اور ایک وحشت کا عالم ہوتا تھا۔ اور جب تک آپ آ کر رقم لے نہ جاتے ویسے ہی وحشت طاری رہتی تھی۔ دلوں کا حال اللہ جانتا ہے، پر اپنی فطرت سے باز نہ آتے تھے، اسی لئے آپ کو رقم توڑ توڑ کر دی ہے اور ہم شرمندگی سے زمین میں گڑھ گئے۔ جاوید آج بھی ہمیں یاد آتا ہے، تو ایک گناہ کا احساس ہوتا ہے۔ اس کی بیوی کو کسی نے زہر دے دیا، خود اس کے سنا ہے، اس کے بھائی نے ہی کچھ کر کے ختم کیا تھا جائیداد اور دکان کیلئے۔ اکیلا آدمی تھا، اولاد تھی نہیں، اس کے بعد اب تو اس کو کوئی یاد بھی نہیں کرتا ہو گا۔ لوگ کہتے تھے اس سے بچ کر رہنا، مگر نیک انسان تھا، موت کے بعد بھی کم از کم ہمارا قرض اتار گیا۔ اور ہم ایسے گئے گزرے تھے کہ اس کے کام ہی نہ آ سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کوتاہیوں پر معاف کرے۔

ناصر کے نام

19مارچ،2011

قسم:میری زندگی



ساتویں آٹھویں جماعت میں ہمیں ترم خانی کا شوق چڑھا، ہم نے حسبِ روایت اسکول سے ٹلا مارنا شروع کیا۔ دو چار دوست ساتھ اکھٹے کئے، اور قریب کے پارک میں ایک بینچ پر قبضہ کر لیا پر وہ قبضہ صرف اسکول ٹائم تک ہی ہو سکتا تھا کیونکہ اس کے بعد ہماری ٹولی بکھر جاتی تھی، اور سب واپس گھر چلے جاتے تھے۔

اسد جنیدی بھی ساتھ ہوتا تھا۔ اس نے ایک دن ہم سے کہا کہ ٹلہ بازی کیلئے سگریٹ بھی پینا ضروری ہے تو ہم نے ایک قریبی کھوکے سے ایک سگریٹ خریدی، پتہ نہیں اس نے ہمیں بگلا مار کہ دیا یا K2، پر اس کا دھواں ہمیں بلکل بھی اچھا نہیں لگا۔ ساتھ ہی کھانسی بھی بہت ہوئی، تو ہم نے اسد سے کہا سگریٹ کے بغیر بھی کام چل سکتا ہے۔ پر اسد بد معاشی پر اتر آیا کہنے لگا پینا پڑے گا۔ اب ہمیں ضد ہو گئی، ہم نے کہا پلا کر دکھایو، اس نے زبردستی کی کوشش کی، پر ہمارا ڈیل ڈول اس سے زیادہ تھا تو ناکام ہو گیا۔ کہنے لگا آج نہیں تو کل تو ضرور پیئے گا، تو ہماری اس سے شرط لگ گئی۔

ہم اپنی ضد کے پکے رہے، تو جب تک اسکول میں رہے، ضد میں آکر کبھی بھی سگریٹ نہیں پی۔ ناصر جو ہمارے ساتھ ہی ہوتا تھا، اور ہمارے ہی محلے کا تھا، پھر اس کو عادت ہو گئی۔ پہلے پہلے خالی سگریٹ پیتا تھا پھر جانے کہاں سے سگریٹ بھرنے لگا، اکثر رات کو اپنے گھر کے پیچھے والی کوڑے کی گلی میں بیٹھا پایا جاتا، ایسے کہ نہ زندہ نہ مردہ۔

اس کی والدہ بہت روتی تھیں، اس کے دوستوں کو گالیاں دیتی تھیں، پر وہ تو ہماری دوستی کب کا چھوڑ چکا تھا، جب سے بھری ہوئی سگریٹ پینے لگا تھا جانے اس کے کون دوست بن گئے تھے۔ ہمیں اس پر اور اس کی والدہ پر بہت

ترس آتا تھا اور پھر یہ عزت کا معاملہ بھی بن گیا تھا۔ تو اب دوستوں نے مل کر اس کی جاسوسی شروع کی تو پتہ چلا کہ ایک چھولے والا آتا ہے گورنمنٹ اسکول کے سامنے، اور پہلے بچوں کے سگریٹ اور پھر بھری ہوئی سگریٹ دیتا ہے۔ ہم محلے کے رفیق بھائی کے پاس گئے، اور اس کو سارا معاملہ بتایا۔ تو اگلے دن وہ چھولے والا رنگے ہاتھوں پکڑا گیا، پر رفیق بھائی نے کوئی پولیس وولیس نہیں بلائی، بلکہ خود ہی اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کی وہ پٹائی کی کہ وہ بھاگ گیا۔ رفیق بھائی علاقے کے بھائی تھے، تو آئندہ کبھی نظر نہیں آئے، مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ کیونکہ اب ناصر گجر نالے کے پاس سے کہیں سے لانے لگا اور رفیق بھائی کا زور گجر نالے کے علاقے میں نہیں چلتا تھا۔ پھر بھی رفیق بھائی نے وہاں کے بھائی سے بات کی مگر کچھ نہیں ہوا اور ناصر بھری ہوئی سگریٹ پی پی کر دو تین سال میں ہی مر گیا۔ غالباً کسی دن بہت زیادہ ہی پی لی تھی۔



اس دن کی کیا، پر کئی مہینوں تک محلے میں لوگ افسوس کرتے رہے۔ اس بات کا ہم پر بہت اثر ہوا اور ہم نے نہ صرف سگریٹ سے بلکہ ترم خان بننے سے بھی توبہ کر لی۔ ویسے بھی جب ہم دسویں میں آئے، تو علاقے میں رضوان رفیق بھائی کا باقاعدہ جانشین بن چکا تھا اور ہم ویسے بھی اسکول سے نکل کر کالج میں آ چکے تھے اور کالج کی دنیا ہی الگ ہوتی ہے۔

باقی آئندہ پھر کبھی۔

پپو اور ماسٹر

24مارچ،2011

قسم:زندگی کامشاہدہ



نیا نیا ماسٹر لگا تھا، گورنمنٹ اسکول میں، مزاج رنگین اور شوق نوابی تھے۔ کلاس میں پپو بھی تھا، اور وہ واقعی ہی پپو تھا، نوابی ماسٹر پپو سے اظہارِ عشق کرنا چاہ رہا تھا، اپنا اپنا جولان ہوتا ہے، خیر معاملہ خطرناک تھا، پپو نے یہ بات سب کے سامنے رکھی، لڑکوں نے سوچا اس ماسٹر کو تو مزہ چکھانا چاہیئے، خیر پپو کو راضی کیا گیا کہ اس کو گھیرے۔ تو ایک دن یہ موقع آ گیا، پپو ٹائلٹ گیا تو ماسٹر بھی پیچھے پیچھے آ گیا اور بہلانے پھسلانے لگا، لڑکے تو تیار ہی تھے، فوراً پپو کو آواز دی، ماسٹر ڈر گیا اور کسی باتھ روم میں چھپ گیا۔ خیر پپو خیریت سے باہر آ گیا تھا، تو لڑکوں نے باتھ رومز کو باہر سے کنڈی لگا دی اور چوکیدار سے کہا خبر دار جو کسی نے کنڈی کھولی۔ پھر سب رفیق کے پاس گئے، رفیق اسکول کا ہیڈ بوئی تھا، اور اس سے سارا ماجرا کہا، رفیق نے کہا آج سزا دے دو کل پرنسپل صاحب سے بات کروں گا۔ اسکول کی چھٹی ہو گئی پر ماسٹر اتنا ڈرا ہوا تھا کہ باہر ہی نہیں نکلا، خیر لڑکے 5 بجے تک اسکول کے باہر کرکٹ کھیلتے رہے، پر ماسٹر نہ نکلا، لڑکوں نے ایک بار پھر چوکیدار کو تنبیہ کی اور گھر چلے آئے۔

اگلے دن رفیق پرنسپل صاحب کے پاس گیا، اور سارا ماجرا سنایا، پرنسپل صاحب باتھ رومز کی طرف آئے پر ماسٹر غائب ہو چکا تھا۔ پتہ چلا کہ ساری رات موصوف اندر ہی بند رہے تھے، صبح صبح جب خاکروب نے دروازہ کھولا تو ایسے بھاگے کہ گولی ہو گئے۔ اس دن آئے ہی نہیں، ظاہر ہے ساری رات بند رہے تھے۔ لڑکوں کو افسوس ہوا کہ دیر کر دی، وگرنہ ان کا چہرہ دیکھنا تھا۔ خیر اگلے دن آئے تو حسبِ توقع انکی طلبی ہوئی پرنسپل صاحب کے پاس، پرنسپل صاحب کافی گرج برس رہے تھے، آفس کا دروازہ بند تھا اور صرف پرنسپل صاحب ہی کی زور زور سے بولنے کی آواز آ رہیں تھیں۔ پھر اچانک دروازہ کھلا اور ماسٹر صاحب نظریں نیچے کئے ایسے گئے کہ پھر کبھی نظر نہ آیا۔

نظر کا دھوکا

2اپریل،2011

قسم:زندگی کا مشاہدہ



کل پڑوس کی دکان کا ملازم روتا ہوا آیا، کہنے لگا لٹ گئے، فراڈ ہو گیا، وغیرہ وغیرہ۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ 8500 روپے کی چپٹ لگی ہے۔ اور وہ موصوف نے اپنے ہاتھوں سے اپنی مرضی سے اس نوسرباز کو خود ہی دے دیے ہیں۔ اب آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ڈاکا شاکا پڑا ہو گا، یا کوئی سیاسی ملازم اپنے اوزاروں یعنی ٹی ٹی وغیرہ سے ان سے کما لے گیا ہو گا۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ کوئی موصوف آئے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی اور جانے کیا پڑھا کہ ان کا ذہن ماؤف ہو گیا اور وہ بے سود ہو گئے پر اس کے کہنے پر خود اپنے ہاتھوں سے اپنی دن بھر کی کمائی ساڑھے آٹھ ہزار روپے اس کو عنایت کر دیا اور اس کے جانے کے بعد جب ہوش میں آئے تو واویلا مچانے لگے۔ سیٹھ کہنے لگا کہ ضرور ہپنوٹائز کر دیا ہو گا۔ اس پر ہمیں اپنا ایک واقعہ یاد آگیا، اس سیٹھ سے پہلے جس سیٹھ کے پاس ہم ملازم تھے تو ایک دن اکیلے ہی کاؤنٹر پر بیٹھے تھے، کہ دو لڑکے آئے غالباً ہندوستانی تھے، کہنے لگے کھلا چاہیے اور پھر ہندوستانی کرنسی نکال کے 100 روپے کا نوٹ نکال کر دینے لگے۔ ہمارا ماتھا ٹھنکا کہ ضرور فراڈیے ہیں سو ہم نے کہا یہ ہندوستانی روپیہ پاکستان میں نہیں چلتا تو ان میں سے ایک نے معصومیت سے کہا تو پاکستانی روپیہ کیسا ہوتا ہے۔ گو اگرچہ ہمارے دماغ میں خطرے کے سائرن بج رہے تھے پر ہم نے ترم خانی میں ان کو گلک سے 1000 روپے کا نوٹ نکال کر دکھایا کہ ایسا ہوتا ہے۔ اور کیوں کہ خطرے کا احساس تھا سو ان کو دور سے ہی دکھایا، ہم میں اور ان میں تقریباً پانچ سات فٹ کا فاصلہ تھا انہوں نے بھی دور ہی سے دیکھا اور سر ہلاتے ہوئے چلے گئے۔

اب شام کو سیٹھ نے حساب لیا تو پورے 1500 روپے کم نکلے، ہم نے لاکھ قسمیں کھائیں، پورا قصہ بیان کیا، تلاشی بھی دی، قران اٹھانے کو بھی تیار ہو گئے پر وہ ہمارا اس ملازمت پر آخری دن ثابت ہوا اور ہم آج بھی حیران ہیں کہ ہوا کیا تھا۔

ہم کہ ٹھہرے اجنبی

1اپریل،2011

قسم:میری زندگی،زندگی کا مشاہدہ



یہ 2002 کی بات ہے، ہم نے نیا نیا خود ساختہ قطع تعلق کیا تھا سب سے، بہت مشکل کام تھا، ہم اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بنتے پر غنیمت صورت ضرور ہیں۔ سیٹھ کے ہاں نئی نئی نوکری کی تھی ، سیلز کاؤنٹر پر بٹھایا تھا اس نے ، اکثر دکان ہم ہی کھولا کرتے تھے۔ ایک دن دیر سے آئے تو پاس کے دکاندار نے بتایا کہ ایک گاہک آپ کا کافی دیر سے انتظار کر رہا تھا اب چلا گیا ہے ، ہم اپنے آپ کو کوستے ہوئے کہ صبح صبح ہی گاہک چلا گیا۔

دکان کھول کر بیٹھ گئے ، اس دن آس پاس کے دکاندار ہمیں بڑی معنی خیز نظروں سے دیکھتے رہے۔ ہم نے دھیان نہیں دیا کہ اب ہم نے لوگوں کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ خیر اگلے دن ہم ذرا جلدی آ گئے کہ مبادہ وہی گاہک پھر آ جائے۔ دکان پہنچے تو ایک موہنی سی صورت والی لڑکی کھڑی تھی ، غالباً ہمارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ خیر ہم نے دکان کھولی تو اس نے سودا لیا ہم تھوڑا سے حیران ہوئے کہ یہ سودا تو تقریبا آس پاس کی ہر دکان پر مل جاتا ہے، خیر ہمیں تو سودے بیچنے سے مطلب تھا سو وہ لے کر چلی گئی۔ بات آئی گئی ہو گئی اور ہم پھر سے کاروبار دنیا میں مشغول ہو گئے ، کیا کریں دل تو نہیں چاہتا تھا اب پر پاپی پیٹ جانے نہیں دیتا، روز کی دیہاڑی سے ہی اس کا خرچہ چلتا ہے سو کام کرنا پڑتا ہے۔ دو تین دن بعد پھر وہی لڑکی آئی اور وہی سودا لے کر چلی گئی ، ہمیں تھوڑا سا اچنبہ ہوا کیونکہ ہماری دکان سے پہلے کم از کم چھ سے سات دکانیں ہیں جہاں وہی سودا پڑا ہوتا ہے۔ خیر ہم نے پھر بھی زیادہ دھیان نہیں دیا، اکثر ایسے ہوتا ہے آپ کسی دکان پر جاتے ہو تو سودا وہاں پر کسی مخصوص سیلز مین سے ہی لیتے ہو اور بعض دفعہ اگر آپ کو وہ سیلز مین اس دکان پر نظر نہ آئے تو کبھی کبھی آپ سودا لیے بغیر واپس بھی آ جاتے ہو یہ ہمارا مشاہدہ ہے۔ سو ہم نے سوچا شاید ایسا ہی ہے اس کو ہم پر اعتماد ہے شاید اسی لیے ہم سے ہی سودا لیتے ہیں۔ خیر

اب تو ہفتے 15 دن میں وہ ایک آدھ دفعہ ضرور آتی اور کوئی نہ کوئی چیز خرید کر لے جاتی، ہمیں کئی دفعہ احساس ہوا کہ ان میں سے کئی چیزیں تو شاید اس کے کام کی بھی نہیں ہوتی پر ہم چپ ہی رہے اور کام سے کام رکھتے۔ کئی دفعہ سوچا کہ پوچھیں اور پھر اپنی دنیا سے ترک تعلق کا عزم یاد آتا اور سوچتے ہمیں کیا۔ پھر ایک دن وہ ایک سرخ رنگ کی گاڑی پر آئی اس کے ساتھ ایک لڑکی اور تھی شاید اس کی بہن یا کزن، دونوں ہماری دکان پر آئیں پھر اس کی



بہن یا کزن باہر گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی اور اس نے ہم سے مختلف چیزیں دکھانے کی فرمائش کی، ہم دکھاتے رہے اس نے ایک چیز خریدی اور سامنے کرسی پر بیٹھ گئی، کچھ بولی نہیں ہم بھی چپ چاپ رہے پھر اچانک اٹھی اور چلی گئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر بھی ہمیں کافی غور سے دیکھتی رہی پھر گاڑی اسٹارٹ کی اور چلی گئی۔ وہ دن اور آج کا دن ہم نے اسے پھر کبھی نہیں دیکھا۔

کبھی کبھی خیال آتا ہے جانے کیا بات تھی، وہ ایسا کیوں کرتی تھی، حالانکہ یہ کوئی خاص بات نہیں، ایک لڑکی، ایک گاہک آپ سے سودا خریدتا ہے، اور بس۔ پر کبھی کبھی، اکثر جب ہم اکیلے ہوں دکان میں وہ بھی صبح صبح، جس وقت وہ آتی تھی جانے کیوں ہمیں وہ یاد آجاتی ہے اور ہم خامخواہ سڑک کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ شاید اس کا انتظار کرتے ہیں۔ جانے کیوں۔

ایک سفر

14اپریل،2011

قسم:میری زندگی،زندگی کامشاہدہ

سیٹھ کے بیٹے کی بیٹی کی شادی تھی پچھلے دنوں۔ آج ان کے ہاں مکلاوے پر لوگ آنے والے تھے سو جلدی چھٹی مل گئی۔ گھر آئے خالی بیٹھے بیٹھے اپنا صندوق ٹھیک کرنے لگے تو ایک پرانا البم ہاتھ لگا۔ تصاویر ساری کی ساری بلیک اینڈ وائٹ تھی، کچھ پرانی یادیں تازہ ہو گئیں، دوران طالب علمی تمام لوگوں کی طرح ایک چھٹیوں میں سارا پاکستان گھومنے کا ارادہ کیا، سو سب سے پہلے ریلوے اسٹیشن سے کنسیشن فارم لیا اور آفس سے اس پر دستخط کروائی مہر سمیت ریلوے والوں کی ہدایت کے مطابق دو فارم بھروائے ایک کراچی سے پشاور تک اور ایک پشاور سے واپس کراچی تک کا۔ بے فکرے ہوئے کرتے تھے، سو پشاور تک کا ایک کنسیشن ٹکٹ لیا اور سوار



ہو گئے ریل میں۔ رات کو ریل روہڑی جنکشن پر رکی تو اچانک موڈ بنا کے کوئٹہ چلے جائیں سو وہاں گئے۔ اسٹیشن ماسٹر سے بریک کروایا اور کوئٹہ کا ٹکٹ کٹوایا، اب کا پتہ نہیں پر پہلے ریلوے والے ٹکٹس پر جرنی بریک کرنے کی ایک دو دن تک کی اجازت دے دیتے تھے، سو وہاں سے چلتن ایکسپریس پکڑی اور کوئٹہ آ گئے۔ عتیق کا بھائی جی ڈی پائلٹ تھا، سو اس کو اسٹیشن سے فون کیا تو وہ آ گیا اور ہم نے وہ رات سمنگلی بیس میں گزاری۔ صبح اس کا بیٹ مین ہم سب کے لیے ناشتہ لایا تو ان کی بادشاہی دیکھ کر رشک آیا اور پتہ چلا کہ کیوں ہر کوئی جی ڈی پائلٹ بننا چاہتا ہے۔ پھر وہ ہم کو حنا لیک اور کوئٹہ کی دوسری مشہور جگہوں پر لے گئے۔ شام

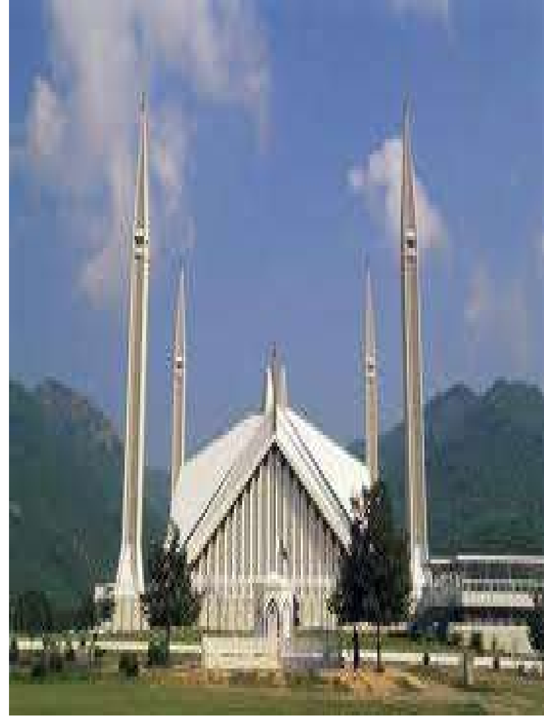


کو ایک پارٹی تھی کافی سارے ایئر فورس کے لوگ تھے۔ عتیق کا بھائی تقریباً سینیئر ہو گیا تھا، غالباً ایک دو سال کا کورس ہی باقی رہ گیا تھا، سو ان کے گروپ کی تو شان ہی کچھ اور تھی۔ وہاں کافی سارے ٹی وی کے بندے بھی تھے، ہم نے لیلہ زبیری کو وہاں پہلی دفعہ دیکھا اور ایوب کھوسہ بھی کچھ دیر کے لیے آئے تھے۔

رات کو اس کے بھائی اور ان کے گروپ نے ہماری سجی کی دعوت کی، ہم نے زندگی میں پہلی دفعہ سجی کھائی اور اس وقت وہ ہمیں اچھی نہیں لگی بڑی پھیکی پھیکی سی تھی۔ خیر اگلے دن ہم نے ٹرین پکڑی اور لاہور کا رخ کیا کیونکہ وہاں ہمارا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ سو ہم نے ایک چارپائی ہوٹل میں کمرہ لیا اور لاہور کی سڑکیں ناپنا شروع کر دی۔ لاہور ہمیں کافی چکرا دینے والا لگا، بہر حال اولڈ کیمپس اور نیو کیمپس بھی گئے، اولڈ کیمپس کے سامنے میوزیم بھی دیکھا، ٹولنگٹن مارکیٹ کے باہر پرانی انارکلی کے ایک کھوکے سے چائے پی اور انارکلی کے اندر سے ہوتے ہوئے مسلم مسجد، پھر داتا دربار اور وہاں سے بھاٹی کے اندر سے ہوتے ہوئے شاہی محلے نکلے۔ کسی نے بتایا یہاں کہیں علامہ اقبال بھی رہتے تھے، شاہی محلے میں نہیں بلکہ بھاٹی دروازے وہاں سے بارود خانہ جسے آج کل میاں صلاح الدین کی حویلی یا صرف حویلی کہا جاتا ہے باہر سے دیکھی۔ پھر گلیوں گلیوں سے ہوتے ہوئے قلعے پر جانے کے لیے، قلعے کے اندر کچھ وقت گزارا، رنجیت سنگھ کی تصویر دیکھی اور میوزیم میں اس کے گھوڑا بھی دیکھا جس کی کھال میں بھوسا بھر کر کھڑا کیا گیا تھا۔



اگلی صبح نیو کیمپس گئے، نہر کے کنارے چائے پی اور نہر میں کچھ لوگ کشتی چلا رہے تھے۔ ریکویسٹ کی، تو انہوں نے کمال مہربانی سے کافی دیر تک ہمیں نہر کی سیر کروائی۔ جب پتہ چلا کہ ہم کراچی سے آئے ہیں، تو مصر ہو گئے، کہ ہم یہاں ہاسٹل میں آ جائیں اور وہ ہمیں پورے لاہور کی سیر کروائیں گے۔ ان کے پر خلوص اصرار سے ہم شرمندہ سے ہو گئے بڑی مشکل سے انکار کیا، پر پھر بھی انہوں نے بریانی وغیرہ منگوالی اور نہر کے کنارے کھانے کا تو مزہ آج بھی ہمیں یاد ہے۔ لاہور کے بعد پنڈی کا پروگرام بنا، سو پنڈی کے لیے گاڑی پکڑی اور پنڈی چلے گئے۔ واضح رہے یہ سب سے ایک ٹکٹ پر ہوا جو ہم نے کراچی سے پشاور تک کا کٹوایا تھا۔ پنڈی میں بارش ہو رہی تھی سو سب سے پہلا کام وہاں اسٹیشن کے باہر ہی ایک ٹھیلے سے برساتی خریدی، پھر قریب ہی ایک ہوٹل میں ایک سستا سا کمرہ لیا، وہاں سے عتیق نے اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں فون کیا تو پتہ چلا کہ وہ اسلام آباد میں فیصل مسجد کے پاس کہیں رہتے ہیں تو صدر بازار سے اسلام آباد کے لیے ویگن میں بیٹھے۔ اس نے ہمیں زیرو پوائنٹ پر اتار دیا۔ اب کیا کریں، اتنے میں پرانی مورس گاڑی ہمارے پاس آ کر کھڑی ہوئی



اور اس میں بیٹھے ڈرائیور نے ان سے پوچھا، کہاں جانا ہے، ہم نے اس کو پتہ بتایا تو کہنے لگا بیٹھو چھوڑ دیتا ہوں۔ ہم خوش ہو گئے کہ یہاں کے لوگ کتنے اچھے اور اجنبی کا کتنا خیال رکھتے ہیں۔ مگر یہ ساری خوشی دھری کی دھری رہ گئی جب اس نے وہاں پہنچا کر ہم سے کرایہ مانگا، مرتے کیا نہ کرتے دینا پڑے، جب یہ بات وہاں ہم نے ان کے رشتہ دار کی بیٹی کو بتائی تو وہ بہت ہنسی، کہنے لگی یہ اسلام آباد میں ایسا ہی ہوتا ہے، اکثر سرکاری ملازمین ہیں اور پارٹ ٹائم اپنی پرائیویٹ گاڑی کو ٹیکسی کے طور پر بھی چلاتے ہیں۔ صبح جب آفس جانا ہوتا ہے تو راستے کی سواری پکڑ لیتے ہیں پھر شام کو آفس سے نکل کر پھر واپس گھر تک کی کوئی سواری پکڑ لیتے ہیں۔ اس طرح ان کا کام اس طرح ان کا کم از کم اور نہیں تو پٹرول کا خرچہ ضرور نکل آتا ہے۔ ورنہ ان تنخواہوں میں گزارا واقعی بہت مشکل ہے۔ تب ہمیں پتہ چلا کہ وہاں مورس گاڑی اتنی زیادہ کیوں ہے۔

بہر حال وہاں کیک بسکٹ اور مزے کے کھانے کھانے کے بعد مری جانے کا پروگرام بنا۔ جیسے ہی باہر سڑک پر آئے تو پھر ایک مورس گاڑی والا آگیا اور کہنے لگا کہاں جانا ہے، مگر اب ہم لوگ ہوشیار ہو چکے تھے تو اس سے قریبی بس سٹاپ کا پتہ پوچھا، اس نے منہ بنا کر بتا دیا اور پیچھے مڑے بغیر زناٹے سے گاڑی بھگا لے گیا۔ بس اسٹاپ تھوڑا دور تھا سو پیدل ہی وہاں تک آئے۔ وہاں سے ہی لیاقت باغ کی ویگن مل گئی، لیاقت باغ جو کہ مری روڈ پر ہی ہے ویگن والے نے مری کی ویگنوں کے اڈے کے بالکل سامنے ہی اتارا۔ وہاں سے مری کی ویگن پکڑی اور مری آگئے۔ مری میں ایک دن پہلے برف باری ہوئی تھی، سو ہم نے برف باری تو نہیں، برف ضرور دیکھی۔ مری ہمیں کوئی خاص پسند نہیں آیا تو واپس آگئے۔ اب تک تقریباً رات ہو گئی تھی، تو عتیق اپنے رشتہ دار کے ہاں چلا گیا اور ہم ہوٹل آگئے۔ ساری رات کمبخت کھٹمل کاٹتے رہے۔ خیر صبح دیر سے اٹھے وہ بھی بلکہ عتیق نے آکر اٹھایا، تھوڑی پنڈی کی سیر کی پھر واپسی کا پروگرام بنا۔ ہم اسٹیشن پر گئے اور کراچی کا ٹکٹ بنوانے لگے تو ٹکٹ والا کہنے لگا آپ کا کنسیشن فارم پشاور سے کراچی کا ہے، آپ کو پشاور جانا پڑے گا اور ٹکٹ وہاں سے ہی بنوانا پڑے گا۔ اب کیا کریں



پیسے بھی تقریباً ختم ہی ہو گئے ہیں اور دونوں پشاور جانا افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ سو طے یہ ہوا کہ ہم اکیلے پشاور جائیں گے اور وہاں سے ٹکٹ بنوا کر آئیں گے، عتیق ہمیں اسٹیشن پر ہی ملے گا اور پنڈی سے دونوں ساتھ ہو جائیں گے۔ سو ہم دوبارہ راجہ بازار آئے اور وہاں سے ہم نے پشاور کی ویگن پکڑی اور عتیق کو تاکید کی کہ وہ ہر حال میں رات کو پنڈی کے اسٹیشن پر ہمارا انتظار کرے۔ پشاور تک کے سفر میں کوئی خاص بات نہیں تھی، ہم زیادہ باہر دیکھ بھی نہیں سکے کیونکہ اندھیرا ہو گیا تھا۔ گاڑی کا ٹائم رات 11 بجے کا تھا، پر ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ویگن پشاور میں ہمیں کہاں اتارے گی۔ ہم 11 بجے رات پشاور پہنچے تو پتہ چلا کہ اسٹیشن یہاں سے کافی دور ہے، تو رکشہ پکڑا اور اسٹیشن بھاگے۔ پر جونہی اسٹیشن پہنچے تو معلوم ہوا کہ گاڑی دو تین منٹ پہلے ہی نکل گئی ہے، اب تو ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کیا کریں پیسے بھی ختم ہو گئے تھے صرف واپسی کے کرائے کے ہی رہ گئے تھے۔ ہمیں وہاں پریشان دیکھ کر کچھ عجیب و غریب قسم کے لوگ ہمارے پاس جمع ہو گئے، کہنے لگے جیکٹ بیچ دو، گھڑی بیچ دو، جوتے بیچ دو، ہم نے وہاں تڑیاں لگائی کہ باز رہیں ہمارا افلاں جاننے والا ہے اور ان کو مشکل ہو جائے گی اور غالباً ہماری تڑیوں سے وہ ہم سے دور رہے۔ پر ہم بہت مشکل میں پھنس چکے تھے، گاڑی نکل گئی تھی، اگلی گاڑی صبح فجر کے وقت جانی تھی، ادھر ہمیں پریشانی تھی عتیق ہمارا انتظار کر رہا ہو گا اسٹیشن پر، ہمارا سامان بھی ہوٹل میں تھا وہ بھی شاید عتیق ساتھ ہی لے آئے گا، پر جب ہم اس کو نہیں ملیں گے تو وہ بھی پریشان ہو جائے گا اور یہاں ہمارے پاس تو صرف اب واپسی کا ہی کرایہ ہے کسی ہوٹل میں بھی نہیں ٹھہر سکتے اور پھر یہاں اسٹیشن پر اکیلے ٹھہرنا خطرناک لگ رہا تھا۔ اتنے میں ایک لڑکا آیا غالباً پشاور یونیورسٹی کا کوئی طالب علم تھا، کسی کو چھوڑنے آیا تھا اس نے جو ماجرہ دیکھا تو ہم سے ہماری مشکل پوچھی، ہم نے جب ایک پڑھا لکھا بندہ دیکھا تو اس کو سارا احوال بتایا، اس نے باقی تمام لوگوں کو جو وہاں جمع ہو گئے تھے پشتو میں جانے کا کہا وہ سب وہاں سے ایسے غائب ہوئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ، پھر وہ ہمیں وہاں اسٹیشن پر ہی اسٹور کے چوکیدار کے پاس لے گیا اور اس سے ریکویسٹ کی کہ اس کو اسٹور میں رات سونے دیں تاکہ ہم صبح صبح ٹکٹ بنوا کر جا سکیں۔ خیر اس رات سردی بھی بہت تھی مارچ کا مہینہ تھا اور مارچ میں اوپر کے علاقوں میں سردی بہت ہوتی ہے اور ہمارے پاس تو کچھ

بھی نہیں تھا، خیر چوکیدار نے ایک چادر کا کہیں سے بندوبست کر دیا اور ہم ساری رات وہاں ایک بینچ پر سوتے رہے۔ نیند کہاں آتی تھی بس سردی میں ٹھٹرتے رہے، خدا خدا کر کے صبح کی آذان ہوئی تو ہم فوراً ٹکٹ کی کھڑکی کے پاس آ گئے، ٹرین غالبا پانچ بجے جاتی تھی، سو ساڑھے چار پر کھڑکی کھلی۔ ہم نے ٹکٹ والے کو کنسیشن فارم دیا مگر ابھی مصیبتوں نے ہمارا ساتھ نہیں چھوڑا تھا، ٹکٹ کلرک نے ہمیں فوراً فارم واپس کر دیا کیونکہ یہ فارم الٹا بھرا ہوا تھا یعنی دوبارہ کراچی سے پشاور کا بھرا ہوا تھا جبکہ ہمیں تو پشاور سے کراچی کا ٹکٹ بنوانا تھا۔ ہم نے اس سے بہت ریکویسٹ کی مگر وہ نہیں مانا کہنے لگا اسٹیشن ماسٹر ہی آپ کی مدد کر سکتا ہے اور اسٹیشن ماسٹر صبح آٹھ بجے سے پہلے نہیں آتا۔ ہم نے بھی سوچا اب ٹائم تو نکل ہی گیا ہے تو اس کا بھی انتظار کرتے ہیں۔ خیر خدا خدا کر کے صبح ہوئی اور اسٹیشن ماسٹر بھی آ گیا، مگر وہ بھی کوئی چمرخ قسم کی چیز تھا، صاف انکار کر دیا کہنے لگا نہیں واپس کراچی جا کر پشاور سے کراچی دوبارہ اپنے تعلیمی ادارے سے تصدیق کروا کر لاؤ۔ ہم نے بہترا کہا کہ آپ کراچی کا ٹکٹ بنائیں گے تب ہی تو ہم کراچی جا سکیں گے، مگر مرغے کی ایک ٹانگ اڑ یل، گدھے کی طرح اڑ گیا۔ ہم مایوس ہو کر باہر آ گئے، پنڈی کی بس پکڑی ایسے میں ذہن پھرکی کی مانند چلتا ہے، ہم نے واپسی میں راستے میں ایک بڑا اسکول دیکھا، غالباً نوشہرہ ہائی اسکول تھا، صحیح سے یاد نہیں، ہم نے بس رکوائی اور اتر گئے اور اسکول کے آفس میں پہنچ گئے۔ وہاں آفس میں جو صاحب بیٹھے تھے ان کو اپنے تعلیمی ادارے کا شناختی کارڈ دکھایا اور سارا ماجرہ بتایا، وہ صاحب کہنے لگے چلیں ہم آپ کو ایک نیا کنسیشن فارم بنا دیتے ہیں دوسٹوڈنٹس کا، مگر ان کے پاس ریلوے کنسیشن فارم نہیں تھے، اب ہم کیا کریں اپنے آپ پر غصہ آیا کہ کم از کم اسٹیشن سے ایک خالی نیا کنسیشن فارم تو لے لیتے، اب کام آ جاتا خیر انہوں نے معذرت کی، ہماری حالت دیکھ کر ہمیں چائے بسکٹ بھی کھلائے، پھر کہنے لگے ایڈمنسٹریٹر کا انتظار کر لیں، شاید ان کے پاس کوئی فارم پڑا ہو، ہم رک گئے نو ساڑھے نو بجے ایڈمنسٹریٹر صاحبہ آئی، ان کو ہم نے سارا ماجرہ بتایا، اپنا خراب فارم دکھایا، اپنا شناختی کارڈ دکھایا مگر ان کے تو تیور ہی بدل گئے، کہنے لگی ہم ایسے کوئی کنسیشن فارم نہیں بھرتے۔ تو ہم مایوس ہو کر اپنی قسمت کو کوستے ہوئے کہ خوامخواہ میں وقت ضائع کیا باہر روڈ پر آ گئے اور پنڈی کی اگلی جانے والی بس پکڑی۔ راستے میں ہمیں خیال آیا کہ ہمیں سب سے پہلا کام ایک نیا کنسیشن فارم لینا چاہیے پھر دیکھیں گے کہ اس کو بھرا کیسے جاتا ہے۔ پھر عتیق کا بھی خیال آیا کہ جانے وہ کہاں ہو گا، ہم تو رات اسٹیشن پہنچے نہیں ہوں گے تو کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اکیلے ہی نکل گیا، اگر وہ اکیلے ہی نکل گیا ہو تو ہم کیا کریں گے

وغیرہ وغیرہ۔ خیر پنڈی پہنچ کر ہم نے سب سے پہلا کام اسٹیشن جاکر ایک نیا کنسیشن فارم لیا، پھر ہم نے عتیق کے رشتہ داروں کے ہاں فون کیا تاکہ عتیق کا پتہ چل سکے، مگر یہ جان کر کہ عتیق تو رات ہی نکل گیا تھا، ہمارے پیروں تلے زمین نکل گئی، ہم فوراً ہوٹل پہنچے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہوٹل میں آگیا ہو، مگر وہاں بھی پتہ چلا کہ وہ رات آیا تھا اور ہمارا سامان لے گیا تھا۔ اس کے بعد نہیں آیا ہم تو بری طرح پریشان ہو گئے کہ اب کیا کریں، خیر اسٹیشن کی طرف چلے تو ہمیں سامنے سے عتیق آتا نظر آیا، ہماری تو جان میں جان آئی، وہ بھی ہمیں دیکھ کر ایسے خوش ہوا جیسے نئی زندگی ملی ہو۔ ہم نے اس کو سارا ماجرہ سنا ہے اور پھر یہ آئیڈیا بھی کہ یہاں کسی اور تعلیمی ادارے میں جاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ان سے اپنا کنسیشن فارم بھروالیں۔ سوراجہ بازار میں ہمیں کراچی ایوننگ کالج کے نام سے کوچنگ سینٹر نظر آیا، ہم فوراً ان کے آفس پہنچ گئے اور جو صاحب وہاں تھے ان سے ملے اور سارا ماجرہ سنایا، اپنا پرانا ٹکٹ بھی دکھایا اور نیا فارم بھی اور ان سے ریکویسٹ کی کہ ہماری مدد کر دیں۔ خدا کا شکر ہے انہوں نے حامی بھری مگر ان کے ادارے کی اسٹیمپ ان کے کیشیئر کے پاس تھی جو کہ شام کو آتے تھے۔ خیر انہوں نے ہمیں دلاسہ دیا کہ شام کو آئیں، انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب ہم دونوں کو تھوڑی آس ہوئی اور تھوڑی جان میں جان آئی، پھر سوچا کہ اگر یہ بھی نہ ہو سکا، تو عتیق کے رشتہ داروں سے تھوڑے پیسے ادھار لے لیں گے اور پورا ٹکٹ لے کر واپس جائیں گے۔ اس دوپہر ہم نے ٹھیلے سے مرغ چھولے کھائے، تقریباً پورا دن ہی ہو گیا تھا اور سوائے ایک چائے اور چند بسکٹ کے ہم نے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ خیر اس کے بعد ہم راجہ بازار اور اس سے معلکہ بازاروں میں ایسے ہی پھرتے رہے اور شام کو چھ بجے کے قریب دوبارہ کراچی ایوننگ کالج آگئے، اب کے قسمت یاوری کر رہی تھی، سو ان کے کیشیئر نے ہی احتیاط سے فام فل کیا اور باقاعدہ سے ہی اسٹیمپ لگا کر فارم فل کیا، پھر اس نے ہی کہا کہ احتیاطاً ہم آپ کو اپنے ادارے کا شناختی کارڈ بھی بنا دیتے ہیں، کہ اگر ریلوے کلرک اعتراض کرے تو آپ دکھا سکیں۔ ہمارے دل سے جتنی دعائیں نکل سکتی تھیں اس کے لیے نکلی۔ خیر اس کے بعد ہم نے ان کا بے حد شکریہ ادا کیا اور ریلوے اسٹیشن آکر پنڈی سے کراچی تک کا ٹکٹ بنوایا، ریلوے کلرک بڑا چین بے چین ہوا، کہنے لگا آپ تو کراچی کے کسی ادارے کے طالب علم تھے، یہ پنڈی سے کیسے، ہم نے اس سے کہا فارم صحیح فل ہے، اس میں کمی نہیں، لہذا وہ فارم کے مطابق ہی چلے۔ پھر ہم نے اس کو دور سے اپنے نئے کارڈ بھی دکھائے دیے۔ اب اس کے پاس بھی چارہ نہ تھا اور اس نے ہمیں ٹکٹ بنا ہی دیا اور مزے کی بات سارا راستہ نہ ہی

ٹکٹ چیک کر آیا، نہ ہی کراچی پہنچ کر باہر جاتے وقت بھی ہمارا کسی نے ٹکٹ چیک کیا۔ بعد میں ہم نے ایک اچھی سی ڈائری لے کر کراچی ایوننگ کالج کو رجسٹرڈ پارسل سے شکریہ کا خطوط کے ساتھ بھیجا۔ بعد میں چند سالوں بعد، جب ہم دوبارہ ٹور پر نکلے، اس دفعہ نعیم اللہ کے ساتھ کیونکہ عتیق این ای ڈی جا چکا تھا۔ تو ہم خاص طور پر پنڈی جا کر کراچی ایوننگ کالج گئے، مگر پتہ چلا کہ وہ کالج بند ہو چکا ہے اور ہم ان صاحب سے جنہوں نے ہماری اتنی مدد کی تھی ملنے سے محروم ہی رہے۔ اور اب بھی جب ہم اس واقعات کو یاد کرتے ہیں تو ہمارے دل سے خود بخود ان کے لیے دعائیں نکل جاتی ہیں۔

گائے کا حصہ



اپنا گائے کا حصہ لینے نکلے تو دیکھا ڈاکٹر سجاد اور ان کے بچے
ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں معلوم ہوا ان کی گائے
رسی توڑ کر بھاگ گئی دیر کر دی انہوں نے گاڑی
نکالنے کے چکر میں لگ گئے اس دوران ایسی بھاگی کے
مل کر نہ دی مجبورا دوبارہ بکرا منڈی گئے اور نئی گائے
لائے اب کے چاروں طرف سے رسیوں سے جکڑ کر
رکھا ہوا تھا پہلے 35 ہزار کی لائے تھے اَب سستی مل گئی 25 ہزار کی خیر ہم نے بھی مسجد کی اجتماعی قربانی میں ایک
حصہ ڈالا تھا حالانکہ ہم حصہ ڈالنے کے قابل نہیں مگر پھر بھی ہمارا حصہ حاجی پکوان والے کے ساتھ پڑ گیا حاجی بھی
بڑا ہوشیار ہے قربانی کی قربانی اور ہوٹل کے لیے گوشت کی سپلائی بھی ہمارے حصے میں بونگ کا گوشت آرہا تھا
حاجی سیخ پا ہونے لگا ہم شاید حصہ بدل لیتے اس سے مگر ضد چڑھ گئی تو سارا حصہ اسی کے سامنے اپنے ہاتھوں سے
بانٹ دیا حاجی کو تلملاتا ہوا دیکھ کر ہمیں نہ جانے کیوں خوشی ہونے لگی بونگ نکال بونگ نکل گئی اس کے ہاتھ سے
ویسے سچی بات ہے ہمیں گوشت کی پہچان نہیں وہ تو قصائی نہیں بتایا کہ ہمارے حصے میں بونگ کا گوشت آ رہا ہے
شام کو پھر وہی خالی ہاتھ شکر ہے چاچا سوپ والے آیا ہوا تھا ہم نے سوپ خریدا اور اپنی کھولی میں جا کر خوب مزے
سے پیا چاچا ہوشیار ہے چکن کان سوپ 20 روپے کا انڈے کے ساتھ 25 کا اور سویٹ اینڈ ساور 25 کا انڈے کے
ساتھ 30 کے بیچتا ہے ہم بھی اس کی رگ رگ سے واقف ہیں ہم اس سے پارسل کرواتے ہیں اس طرح عام طور
سے کم از کم ڈیڑھ پیالہ تو نکل ہی اتا ہے یہ اور بات ہے بعد میں برتن خود دھونے پڑتے ہیں آج اتوار ہے کراچی
میں بارش ہو رہی ہے اچھا ہے قربانی کے خون کے ساتھ شاید لوگوں کے گناہ بھی دھل جائیں ہماری کھولی ایک
طرف سے ٹپکنے لگی ہے صبح دیکھیں گے



نوٹ یہ 2007 کا لکھا ہوا ہے

پاکستان کی اکلوتی سولر کار

19مارچ،2011

قسم:پاکستان

عتیق شفاعت پاکستان کا وہ ماہیا ناز بیٹا جس کی زمانے نے قدر نہ کی اور شاید یہاں سے دلبر داشتہ ہو کر ہی امریکہ گئے۔ بندہ بہت ذہین تھا میکینکس کا ماسٹر، لوگوں کو شاید معلوم نہ ہو مگر وہ پہلا شخص تھا جس نے پاکستان میں سولر کار بنائی۔ اس کے فائنل سیمسٹر کے پروجیکٹ کا حصہ تھی اور ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے یہ کار تن تنہا ہی بنائی ہوگی۔ کیونکہ اس کے ساتھ کے باقی دو دوسرے بلکل ہی گئے گزرے تھے۔ شاید انہیں پانے اور ہتھوڑے کا فرق بھی معلوم نہ ہو۔ چھ مہینے کی مختصر مدت میں یہ کارنامہ اس نے ہماری آنکھوں کے سامنے انجام دیا۔ انگلی کاٹ کر لہو لگا کر ہم بھی شہیدوں میں شامل ہیں۔ اس کی ایک خاص قسم کی راڈ ہم نے ان کو دلوائی تھی، یہ ہلکے المونیم الوئی کی لیکن ہائی ٹنسائل راڈ تھی جو وزن بھی سنبھال سکتی تھی اور مضبوط بھی تھی۔

PAKISTAN # 21

SYED ATTIQUE SHAFAAT

... a step into solar technology

WITH its entry into the World Solar Challenge, Pakistan has taken the first step into the solar age, according to the Vice Chanc-ellor of the N.E.D. University in Karachi.

Dr Jamell Ahmad Khan, who as Head of the Mechanical Department guided the project, said he was proud that his country was sixteenth in the world to introduce a solar car. He praised the University's students, saying that they had shown the way towards the great uses to which solar energy could be put.

The students' group is headed by Syed Attique Shafaat, the entrant, supported by Syed Moham-med Baqir and Syed Sirajul Matin, assisted by Irfan Saied, Abdul Munaf and Khurshid Saeed.

The students built the vehicle entirely in the University as their final year project. First conceived in 1982, the project had been in the doldrums until these students revived it and took up "the challenge".

The solar car cost 70,000 rupees ($5600), but refinements over the next five years could reduce it to one-tenth that amount, Dr Khan said.

Mechanically the car is perfect, he said, trouble-free and with a top speed of 36km/h. India has yet to produce a solar car, he added.

"SOLAR SAMBA" SPECIFICATION SUMMARY

CONFIGURATION	Mid powerplant, rear wheel drive, single seater, three wheeled experimental prototype
SOLAR PANELS	Model - GL 3641/12 (BP 1238) Quantity - 10 units Peak output - 360 watts Surface area - 4.0986 m²
BATTERY	Lead-acid, 12 volts, 97 amp-hr, 2 units
MOTOR	One DC motor, 24 volts, 1hp
GEARTRAIN	3-speed gearbox
CLUTCH	Multi-disc, manually operated
STRUCTURE	Tubular space frame made of thin mild steel pipe
BODY	Fibreglass
DIMENSIONS	130 in. long x 75 in. wide x 52 in. high
WEIGHT	250kg
WHEELBASE	76 in.
FRONT TREAD	70 in.
FRONTAL AREA	9.078 sq. ft.
INSTRUMENTATION	Analogue
STEERING	Sprocket-n-sprocket
BRAKE	Internal expanding drum, location - aft, type - mechanical
FRONT SUSPENSION	Independent, upper wishbones lower transverse leaf spring, tubular dampers
REAR SUSPENSION	Trailing fork, two coil-over-shock units
TURNING RADIUS	20 ft.
SPEED	36km/h (max)
DRIVER WEIGHT	135 lbs. (61.7kg)
FRONT TYRES	Two bicycle
REAR TYRE	One motorcycle

POWERED BY THE SUN – Page 57

بہر حال قصہ مختصر، کار تیار ہوئی، اس کا نام سولر سامبا رکھا گیا۔ اس میں S ہمارے نام کا ہے، A عتیق کا، ایسے ہی باقی لفظ بھی دوستوں کے نام سے لیے گئے۔ ایک دھوم مچ گئی، اخبارات، انٹرویو، ٹی وی، یہاں تک کہ ضیاء الحق خاص طور پر NED آئے، اور اس سولر کار کا خود افتتاح کیا۔ یہ کار یا شاید اس کا انجر پنجر آج بھی NED یونیورسٹی کے میکینکل ڈپارٹ میں رکھا ہو۔ انٹر نیشنل لیول پر بھی اس کو کافی پذیرائی ملی، یہ ایک ایسا کارنامہ تھا جو جاپان کے علاوہ شاید ہی کسی ایسے ملک میں کسی نے کیا ہو۔ اسی شہرت کی بنیاد پر آسٹریلیا سے ان کی مشہورِ زمانہ اور دنیا کی سب سے بڑی سولر کار ریلی میں ان کو بلایا گیا۔ سارا خرچ ریلی والے خود برداشت کرنے پر تیار تھے پھر ضیاء الحق نے بھی اسپانسر کیا۔ پر بد قسمتی ہے اس ملک میں جلنے والے خاص طور پر بیوروکریسی میں بہت ہیں۔ وہ کسی بھی ٹیلنٹڈ شخص کو ابھرتا ہوا نہیں دیکھ سکتے، سازشوں پر اتر آتے ہیں۔

ہوا یوں، جب وہ تینوں لڑکے اپنا تمام سامان باندھ کر آسٹریلیا پہنچے تو وہاں سرکاری طور پر ان کو ریسیو کرنے کوئی بھی نہیں آیا۔ حالانکہ وہاں کے اخباروں نے بھی اس کی نمایاں سرخی لگائی تھی، کہ پاکستان جیسے ملک سے تین طالب علموں نے 6 ماہ کی مختصر مدت میں ایک کار وہ بھی سورج کی روشنی سے چلتی ہو بنائی ہے۔ہاں چند مقامی پاکستانی ضرور آئے اور کافی پزیرائی کی انکی۔ یہ کار ریلی پورے آسٹریلیا کو عبور کرتی ہے اور تقریباً 10 سے 15 دن چلتی ہے۔ آسٹریلیا بھی ایک بڑا ملک ہے۔ خیر کسی وجہ سے ریلی میں 5 سے 10 دن کی تاخیر ہوگئی، ان کے پاس اسٹے صرف بیس دن کا تھا اور یہاں بیوروکریسی کا کمینہ پن کھل کر سامنے آگیا۔ اول تو وہاں کے پاکستانی کاسلیٹ نے ان کو سرکاری طور پر قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور جب انہوں نے اپنی مجبوری بتائی اور اسٹے 10 سے 12 دن بڑھانے کی درخواست کی تو انہوں نے مسترد کر دی کہا کہ آپ لوگ یہاں ایڈمشن لے لو گے اور واپس نہیں جاؤ گے۔ مجبوراً ان کو ریلی آدھی چھوڑ کر آنا پڑھا۔

اس سال اس ریلی میں تقریباً 130 سے 135 شرکاء تھے، جاپان، کنیڈا، امریکہ، اور جانے کہاں کہاں سے ان کے ایڈوانسڈ اداروں کی ٹیمز آئی ہوئی تھیں، ایسی ٹیمز جنھوں نے ہزاروں ڈالرز خرچ کئے تھے اور اسٹیٹ آف آرٹ جدید ٹیکنالوجی استعمال کی تھی۔ ان کی سولر کار پر پچاس ہزار روپے بھی خرچ نہیں آئے تھے۔ سب سے مہنگی چیز 24 واٹ کی ٹرانسفورمیشن بیٹری تھی جو غالباً بارہ ہزار یا اٹھارہ ہزار روپے کی آئی تھی۔ پھر بھی جب یہ واپس آئے تو اس وقت ان کی پوزیشن 40 یا 42 تھی اور ریس کے 8 سے 10 دن باقی تھے۔ صد افسوس یہ یہاں کے لوگوں کی بدقسمتی ہے کہ وہ جو بھی ٹیلنٹڈ ہوتا ہے اس کی ٹانگ کھینچ لیتے ہیں۔

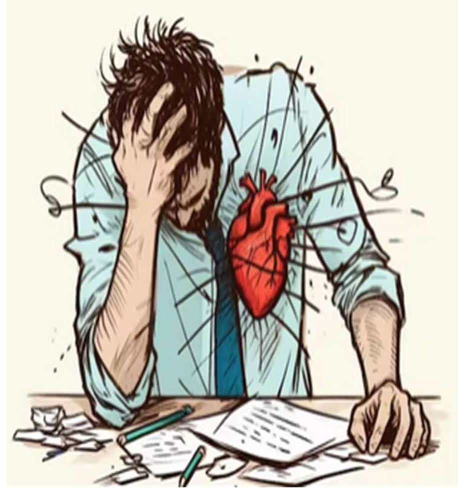
ہر رستم اپنے سہراب ہی کو مارتا ہے،

ایسی فتح کا کیا، جس میں اپنوں کا خون گیا۔

2ہزار کاٹبہ اور650 کا این آئی ایچ ڈی

9اپریل،2011

قسم:میری زندگی



ایک رکشے والے نے بتایا تھا کہ ۔ میں اس کا علاج 600روپے میں ہو گیا تھا۔ سو جب ہمارے دل نے رات دو بجے اٹکھیلیاں کرنا شروع کیا تو ہم نے رکشہ وہاں ہی لے جانے کو کہا، کیسے پہنچے، بس پہنچ گئے۔ مگر ۔ ہمیں 600 کا نہیں دو ہزار کا پڑا پر ایک بات ہے انہوں نے ذرا بھی وقت ضائع نہیں کیا اور تمام مراحل انتہائی تیزی سے طے کیے۔ کنولا، انجیکشنز، گولیاں، ای سی جی اور جانے کیا کیا، نیم بیہوشی میں تھے، بس الیکٹرک شاک دینے کی کسر رہ گئی تھی۔ خیر طبیعت سنبھلنے پر ایڈمٹ ہونے کا کہا پر 40 ہزار کا نسخہ بتایا، ہماری مجبوری بیان کرنے پر پانچ ہزار چھوڑنے کا کہا، اور ہم چپ چاپ نکل آئے۔ تھے ہی 2 یا ڈھائی ہزار جیب میں، وہ تو بھلا ہو رکشے والا شاید انتظار کر رہا تھا باہر۔ وہ ہمیں وہاں سے این آئی ایچ ڈی لے گیا، رات کے دو بج رہے تھے، پر پھر بھی بہت رش تھا، ڈاکٹر انعام دانش کی مہربانی کے انہوں نے ایڈمٹ کر لیا، 100 روپے کی پرچی بنی اور آدھے گھنٹے میں اوپر شفٹ بھی کر دیا۔ ۔ کی رپورٹ ساتھ تھی سو مزید ٹیسٹ نہیں لیے، بس پیٹ میں ایک انجیکشن لگایا۔ اگلے دن صبح دو چار ٹیسٹ اور لیے جن میں ایکو بھی تھا۔ ہمیں وارڈ بوائے نے بتایا کہ ایکو ہر کسی کا نہیں ہو تا آپ کیوں کہ ایڈمٹ ہیں اسی لیے آپ کا صرف 300 روپے میں ہی ہو گیا ہے، وگرنہ اس ٹیسٹ کی تو بڑی بڑی سفارشیں آتی ہیں اور ہم نے دیکھا بھی ایسے ہی۔

این آئی ایچ ڈی اچھا ہے، ہم جیسے غریبوں کے لیے ایک نعمت، پر جانے کیوں غالباً یہ جان پہچان کا مرض وہاں اتنی تیزی سے کیوں پھیل رہا ہے، تھوڑی سی بھائی گری بھی ہے۔ مریض کے لواحقین پریشان ہوتے ہیں اور کسی قدر مجبور۔ ان کے ساتھ بھرم بازی ایسے ہی ہے جیسے دودھ میں مینگیاں۔ مگر لوگ بہت اچھے ہیں، بے غرض بھی کام کرتے ہیں، کئی لوگ ایسے عمدہ تقریباً مفت سہولیات سے زبردستی استفادہ کرنے کے لیے بھرم بازیاں بھی کرتے نظر آئے۔ مگر انسان شناس ڈاکٹروں نے بڑے طریقے سے ان سے ڈیل کیا اور ہم جو مصر تھے کیونکہ باقی چار سے پانچ ای سی جیز ٹھیک ہیں لہذا چھٹی کر دیں، مگر ایکو کروا کر ہی چھوڑا۔ اس جان پہچان کے مرض کے تیزی سے شریعت کرنے کا ایک اور ثبوت اس وقت ملا، جب وارڈ بوائے جو کہ ہمیں

ایکو کے لیے لے کر جارہا تھا اس نے ہم سے پوچھا کہ جناب آپ کی کوئی جان پہچان ہے جو اتنا جلدی اور فورا آپ کا ایکو کروا رہے ہیں اور ہم اس کی شکل دیکھتے رہ گئے۔ حالانکہ ہمارے ساتھ ہی 4-5 اور کا بھی ایکو کہا گیا تھا۔ بھیا ڈاکٹر نے ضرورت محسوس کی تو ECHO کے لیے کہہ دیا اس میں جان پہچان کی کیا بات۔ مگر وہاں جا کر پتہ چلا شاید وارڈ بوائے بھی ٹھیک ہے ہمارے اور باقی مریضوں کا کیونکہ وہ ایڈمٹ تھے اسی لیے یہ ECHO ٹیسٹ وغیرہ کسی دشواری کے بغیر ہو گیا ورنہ ہم نے باہر سے کافی ساری پرچیاں بلکہ بھائیوں کو خود بھی آتے دیکھا جو کہ یہی ECHO ٹیسٹ کروانا چاہ رہے تھے۔ اب بدھ کو بلایا ہے ایک اور ٹیسٹ کا کہا ہے جو کہ بدھ کو ہو گا۔ اگر زندگی رہی جو کہ انشاءاللہ رہے گی تو وہ مرحلہ بھی گزر جائے گا۔ ہمیں اس پر کسی کا ایک قول یاد آ گیا، ان کا کہنا کہ بعض دفعہ تصویر بتاں دیکھ کر دل خامخواہ ورزش کرنا چاہتا ہے اور کیونکہ لوڈشیڈنگ زوروں پر ہے تو بوجہ پوری طرح چارج نہ ہونے کے، جھٹکے مارتا ہے۔ آئیں اب ہم اس تصویرِ بتاں کو تلاش کریں گے تا کہ وولٹیج کی کمی بیشی کا اندازہ ہو سکے۔ واللہ عالم بالصواب۔



نوٹ: ہمیں پہلا ہارٹ اٹیک 15 مارچ 2009 کو ہوا تھا۔ یہ اس کی روداد ہے۔

27مارچ،2011

قسم:زندگی کا مشاہدہ



جی ہاں، یہ ایک فحش پوسٹ ہے۔ عورت کس مرد کو اچھی نہیں لگتی؟ ہمیں بھی لگتی ہے اور رنگین خیالات بھی آتے ہیں۔ شاید عورتوں کو بھی آتے ہیں، یہ تو قدرت ہے۔ ہمیں سانیہ مرزا اچھی لگتی تھی، اس کا کسا کسا بدن، دل میں گدگدی کرتا ہے، ہمیں رانی مکھرجی کی مسکان بہت اچھی لگتی ہے۔ بنگال کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے، ہم نے راکھی ساونت کی کاماسترا کے انداز یو ٹیوب پر دیکھیں ہیں، حالانکہ وہ کاماسترا کی ڈیمنسٹریشن دے رہی تھی، مگر کپڑے پہنے ہوئے تھے، اچھا لگا، عامیانہ پن نا تھا۔ حالانکہ ہم نے شروتی شرما کی تیزاب سے بھی کچھ منتخب حصے دیکھے، سلونی سی لڑکی، نمکین، مگر شیریں ادا۔ ہم لچھڑیا بیہودا فلمیں نہیں دیکھتے، مگر حسن ضرور دیکھتے ہیں، حسن کی تعریف کرنا ہم کو اچھا لگتا ہے، اس میں ہماری نیت خراب نہیں ہوتی، ہم صرف حسن کے قدر دان ہیں۔



ہیمہ مالینی میں جو بات تھی وہ اس کی بیٹی میں نہیں، لوگ کہتے ہیں ایشوریا بہت خوبصورت ہے، ہوگی مگر ہمارے معیار کی نہیں۔ ہم کو اس کی روح کی خوبصورت نظر نہیں آئی، وہ خوبصورت جو رانی میں ہے، حالانکہ رانی کا جسم اتنا متناز یب نہیں جتنا ایشوریا کا ہے، مگر اندر کی خوبصورتی، اس کے چہرے پر اس کی مسکان میں ہے۔ ایشوریا کی بناوٹی لگتی ہے۔ ہمیں رانی مکھرجی بھی اچھی لگتی ہے، اس کی مسکان من بھاتی ہے، پریارائے اسی جیسی لگتی ہے، کسی کسی سی، بھاری بھاری اور بھرپور۔

آریا جیووانی، شروتی شرما اور نادیہ نائس ان میں بھی ایک خاص کشش ہے، ان کے نام اسی لئے لیے کہ یہ اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ کھوجنے والوں کی کھوج میں ہیں۔ ملاپ اور جنسی ملاپ میں فرق ہے، ملاپ ایک روحانی تجربہ ہوتا ہے، ایک سکون سا ملتا ہے، دل بھرتا نہیں، ایک دوسرے میں سما جانے کی منزل ہی کچھ اور ہوتی ہے، اور یہ الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی۔ جنسی ملاپ لذت شاید ضرور دیتا ہے پر اس کے بعد ایک خلش سی رہ جاتی ہے، دس پندرہ منٹ کا طوفان، اور ملاپ میں یہ لمحے صدیوں تک پھیل جاتے ہیں اور ساری زندگی یاد رہتے ہیں۔ عورت وہی بھرپور جو اپنے میں سب کچھ سما لے، ایک ہو جائے، اور وہی لمحے

کائنات کے سب سے خوبصورت لمحے ہوتے ہیں۔ دلنشین حسینوں کی فہرست کافی لمبی ہے جو کسی نا کسی موڑ پر دل چھو گئیں، اب نام نہیں لیں گے اس میں سے بہت سی اچھے گھرانوں کی ہیں، بس ہمارا ہی لچھڑ پن ہے اور پھر خیالات کو کون روک سکتا ہے۔ ہمیں تو امبر ایوب، انیتا ایوب کی بہن بھی اچھی لگتی تھی، شاید سلونی سلونی اور نمکین نمکین ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ آج کل کہتے ہیں کترینہ کیف کسی فہرست میں سب سے اوپر ہے، پر ہم جب اس کا چہرہ دیکھتے ہیں تو کسی لڑکے کا سا لگتا ہے۔



کائنات کے سب سے خوبصورت نظاروں میں سے ایک وہ ہے جب عورت خود سپردگی کے لئے تیار ہوتی ہے اور ملاپ میں پگھل جاتی ہے، نرم نرم اور گرم گرم۔ تیکھی تیکھی آنکھوں اور نین نقش والیاں بھی ان میں نقش چھوڑ جاتی ہیں، خاص طور پر جیسے نیپالی یا منگولین، جیسے نین نقش والیاں جیسے باریک پینسل سے ان کے نقش و نگار بنائے گئے ہوں۔ مغلیہ منیئیچر پینٹنگ کی طرح۔ عورت ایک پہیلی ہے، کھلی کتاب کی مانند، آپ کی نظر نہیں تو پھر سمجھ نہیں آئے گی۔ مرد عورت کی پاکیزگی کا ماں اور بہن تک قائل ہے، اس کے آگے پھر نیت ڈاماڈول ہونا شروع ہو جاتی ہے، اس کو عورت ناچتی ہوئی اچھی لگتی ہے۔ کہتے ہیں سب سے پہلا پیشہ عورت ہی نے کیا، ہم اس سے اختلاف کرتے ہیں، کیوں کہ سب سے پہلے تو قابیل نے جاسوسی کی، پھر قتل کیا، گو اس کی وجہ عورت ہی تھی۔ ہمیں چھوٹے بالوں والی مثلاً کیتھرین بیل میں بھی کشش نظر آتی ہے، ہم جیسیکا البا اور دیپیکا پادوکون تو ایک سی ہی لگتی ہیں، ڈریو بیری مور شرارتی شرارتی سی۔



دیپیکا پادوکون اپنے آج کل کے ایک نئے گانے "دم مارو دم" میں کہتی ہے "آج میرے لطیفے پئے کھینچ رہا ہے، کل میری اسکرٹ کھینچے گا" اور چوداں طبق نا جانے کن دل فریب مناظر میں کھو جاتے ہیں۔ کہتے ہین مشرقِ وسطا کی عورتیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں، ہمارا کبھی اتفاق نہیں ہوا، سو ہم حتمی طور پر نہیں کہہ سکتے، ہاں لاٹینوس سے بھی کافی تعریف سنی ہے، ایسے ہی اسپینش عورتوں کے بارے میں بھی سنا ہے، سنا ہے بہت گرم اور بھرپور ہوتی ہیں۔ پر وہ جو کہتے ہیں



نہ "beauty is in eye of the beholder" اور قصہ چار درویش میں کہیں پڑھا تھا کہ کیسے ایک درویش ایک کالی کلوٹی اور موٹی بھدی سی صورت پر فدا تھا، تو شاید یہ بھی سچ ہے۔ آخر میں ہم نے کوشش کی ہے اس کو فحش ہی رکھیں، عامیانہ نہ ہونے دیں۔ آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

Season of Muslamization

Yesterday I went to the market, and realized the the season of Muslamizaiton has started … around 20 days are left for Ramzan ….!!
..then this was confirmed when I realized shopkeeper is Muslamzied by Rs 10 within a Week….. see….. 500 ml Bottle was a week ago Rs 35, then it was muslamized by Rs 5 / at Rs 40 ….and now with Rs 45 it is Muslamized by Rs 10 …... and yet there are around 20 days left for Ramzan ….!!



its True we are not Kafirs… or infields…... it's only the Infidels and Kafirs who reduce prices on their religious /festive occasions …!!

…. Reducing prices on religious /festive occasions is the tradition of Kafir /infidels ……and we are not one of them….

and also …... by reducing prices we would be showing" Nashukra Pan" [ungratefulness]…to the bounties of Creator …

Note : this Blog was written in June 2014

ایڈوانس والیاں

اپریل 2011



سیٹھ بتا رہا تھا ایک دن اچانک صبح صبح کسی نے گھر کی گھنٹی بجائی باہر نکل کر دیکھا تو ایک مشہور سنگر تھیں ان کے ساتھ چار پانچ مسٹنڈے قسم کے لوگ تھے کہنے لگی کہاں ہے لڑکی جس کو آپ لوگوں نے قید کر رکھا ہے سیٹھ حیران ہوا اس دوران سیٹھ کی زوجہ محترمہ بھی اگئی وہ بھی حیران ہوئی اور ان خاتون سے کہا کہ آپ کس لڑکی کی بات کر رہی ہیں اتنے میں گھر میں کام کرنے والی لڑکی بھی باہر اگئی اسی وقت میڈم کی گاڑی سے اس لڑکی کی ماں بھی نکل گئی کہنے لگی یہی ہے یہی ہے میری بیٹی سیٹھ کی زوجہ نے میڈم سے کہا اپ اندر ائیں اور ماجرہ بتائیں کہ کیا ہے میڈم اب کبھی سیٹھ کی زوجہ کو اور کبھی اس لڑکی کو دیکھتی لڑکی نے اچھے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور کسی بھی لحاظ سے ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ اس پر کوئی ظلم کیا گیا ہو میڈم نے اپنے محافظوں کو باہر ہی رہنے کا کہا اور اندر آگئی ساتھ ہی لڑکی کی ماں کو بھی اندر بلا لیا اور پھر اس کی ماں کی طرف دیکھ کر درشت لہجے میں بولا تو تو کہتی تھی کہ بچی پر ظلم ہوتا ہے یہ مارتے ہیں کھانا بھی نہیں دیتے اور سارا دن جانوروں کی طرح کام کرواتے ہیں مگر تیری بچی تو لگتا ہے بہت اچھی طرح رہ رہی ہے اب لڑکی کی ماں آئیں بائیں شائیں کرنے لگی۔

مزید کریدنے پر راز کھلا سارا مسئلہ زیادہ پیسوں کی لالچ کا تھا مزید لترٹ کرنے پر بولی غلطی ہوگئی مجھے معاف کر دے اور ظفری سے مت کہیے گا نہیں تو میری بچیوں کو اگے کام نہیں ملے گا اس طرح کی بچیاں جن کو ان کے والدین اپنی غربت کی وجہ سے دوسروں کے گھر کام کرنے بھیجتے ہیں ایڈوانس والیاں کہلاتی ہیں یہ ایک بڑا منظم نیٹ ورک ہوتا ہے یہ ظفری ٹائپ کے لوگ ڈیلر ہوتے ہیں سارا کام اعتبار پر چلتا ہے ظفری ٹائپ کے لوگوں کے اعتبار پر اگر ظفری صحیح جگہ بچے یا بچیوں کی نوکری نہ لگوائے تو ائندہ بھی کوئی زفری سے اپنی بچے یا بچی کو کام پر لگوانے کا نہیں کہے گا اور اگر وہ بچی یا بچہ بھاگ جاتا ہے یا چوری کرتا ہے تو ائندہ کوئی بھی ظفری سے ملازم کے انتظام کا نہیں کہے گا سال کا دو سال کا چھ ماہ کا ایڈوانس طے ہوتا ہے اور ظفری ٹائپ کے لوگ گاؤں سے بچے یا بچیاں ملازمت کے لیے لا کر دیتے ہیں یہ ظفری کی ذمہ داری ہوتی ہے وہ بچی یا بچے کو اچھی جگہ لگوائیں اور رکھنے والوں کو ضمانت دیں کہ بچی یا بچہ بھاگے گا نہیں اور کنٹریکٹ کی مدت تک کام کرے گا اور چوری چکاری کی صورت میں بھی

مسئلے کو حل کروائے گا مگر ایسا اکثر نہیں ہوتا خیر سیٹھ کی زوجہ نے ظفری کے ٹھیک ٹھاک اور قابل بھروسہ ہونے کا سن کر ملازمہ کا کہا تھا تو ظفری نے یہ بچی لا کر دی تھی غالبا 12 ہزار یا 15 ہزار سال کا طے ہوا تھا اس میں ظفری نے اپنا کمیشن رکھ کر باقی پیسے بچی کے والدین کو دے دیے تھے ایک سال کا طے ہوا تھا سال ختم ہونے پر لڑکی کے ساتھ اس کے ماں باپ کے لیے دو دو جوڑے اور جوتے بھی طے ہوئے تھے سیٹھ اور اس کا خاندان پڑھا لکھا اور نفیس خاندان ہے اس کی اپنی تین بچیاں ہیں خدا ترس انسان ہے اس کی بچیاں اور زوجہ بھی دیسے مزاج کی اور اچھی خاتون ہے۔

ان کا نظریہ ہے اس طرح بچیاں رکھ کر وہ ظلم نہیں کرتے بلکہ اس بچی یا بچے کے لیے بہتر کرتے ہیں اس کو اچھے گھروں میں رہنے کا طریقہ سکھاتے ہیں کھانا پکانا اور کام کاج کرنے کا طریقہ سکھاتے ہیں کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایسی بچیاں پہلے سے ہی سیکھی ہوئی ہوں ان کو اچھا کھانا ہے کر دیتے ہیں اچھا پہننے کا دیتے ہیں اپنے بچوں کی طرح رکھتے ہیں سیٹھ کی بچیاں تو اسکول سے ا کر شام کو اکثر اپنے ہوم ورک سے ٹائم نکال کر اس کو پڑھاتی بھی تھی سیٹھ کی زوجہ نے اپنی بڑی بچی کو اپنی بڑی بچی کے وہ کپڑے جو اس کو چھوٹے ہو گئے تھے خود اس کے ناپ کے کر کے اور سیکھ کر اس کو پہنانے کے لیے دیے تھے متوسط امدنی کا گھرانہ ہے عام طور سے اس طرح کے گھرانوں میں ایسا ہی ہوتا ہے بلکہ اکثر بڑی بچی یا بچے کے کپڑے چھوٹے بہن یا بھائی بہن لیتے ہیں کھانا بھی وہی ہوتا تھا جو سب کھاتے تھے بچی کے ذمے گھر کی صفائی جھاڑ پچ اور کپڑوں کی سری وغیرہ ہی تھی ابھی کیونکہ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور نہ سیٹھ کی زوجہ تو کھانا پکانا بھی سکھا دیتی تھی خیر ہوا جو تھا کہ اس کے والدین نے جو ایڈوانس لیا تھا وہ ختم ہو گیا تھا اور وہ پھر مقروض ہو گئے تھے بچی کی کانٹریکٹ میں ابھی سات اٹھ ماہ باقی تھے اس لیے فورا پیسے انے کی کوئی امید نہیں تھی اس دوران بچی کی ماں کی ملاقات کہیں سے عزرا جہاں سے ہو گئی حضرت جہاں کوئی بھی گھریلو ملازمہ کی ضرورت تھی اس نے سو اس نے اس کی ماں سے کہا کہ تیری بچی کہاں ہے اور پیسے بھی زیادہ بتائے اس پر اس کی ماں نے موقع غنیمت جانا اور تو اس نے ظلم کی ایک داستاں گھڑ لی کہ اس کی بچی سیٹھ کے ہاں ہے اور سیٹھ اس کو مارتا ہے اس پر ظلم کرتا ہے کھانا وغیرہ بھی نہیں دیتا اور تشدد کرتا ہے اور رو دو کر ایسا سماں باندھا کہ عزرا جہاں کا دل پسیج گیا اور پھر اس کو بھی ضرورت تھی سو وہ اپنے مسلح محافظوں کے ساتھ بچی چھڑوانے آئی تھی۔ مگر جب یہاں حالات ہی الٹے دیکھے تو سیٹھ سے اور اس کی زوجہ سے بہت معذرت کی مگر سیٹھ کی زوجہ نے کہا کہ اب مجھے اس بچی کو نہیں رکھنا اپ کو سمجھدار خاتون تھیں اصل معاملے کو سمجھ گئی اگر آئندہ اس نے پھر مزید پیسوں کی لالچ میں کوئی ایسی حرکت کی تو ہم تو شریف لوگ ہیں اس طرح نبھا نہیں سکیں گے اس پر میڈم نے ایڈوانس کی بقایا پیسے اپنے پاس سے واپس کیے اور کہنے لگی ہاں واقعی اپ جیسے لوگ ان سے نہیں نمٹ سکتے ہمیں ان کی اچھی طرح سمجھ اگئی ہے اور پھر دوبارہ بڑی معذرت کی سیٹھ کی زوجہ نے اسی وقت اس بچی سے کہا اپنا سامان پیک کرو اس پر اس بچی کی انکھوں میں انسو

آ گئے کیونکہ یہاں وہ ملازمہ سے زیادہ بہنوں کی طرح رہ رہی تھی اس سیٹھ کی بچیاں بھی اداس ہو گئی اس بچی کی والدہ کو بھی غالبا احساس ہو گیا کہ وہ کتنی بڑی غلطی کر رہی ہے وہ بھی معافیاں مانگنے لگی اور منت سماجت کرنے لگی کہ اس کی پڑوسن نے اس کو پٹی پڑھائی تھی کہ اس طرح شور مچانے پر شریف لوگ بچی بھی واپس کر دیں گے اور تم کو پیسے بھی واپس نہیں کرنے پڑیں گے مگر سیٹھ کی زوجہ نے کہا کہ اب مجھے بھی تمہاری سمجھ آگئی ہے اور اب یہ میرے لیے ممکن نہیں یہ عزرا جہاں بھی اچھی خاتون لگ رہی ہیں اب تم جانو اور تمہاری بچی ہماری غربت کا یہ المیہ ہے بچے اور بچیاں اپنے بچپن سے محروم ہو جاتے ہیں ماں باپ بھی اسی لیے زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں کہ زیادہ کام کرنے والے ملیں گے جب تک اس پورے نظام کا اوور ال نہیں ہو گا ایسا ہی ہو تا رہے ھگا والدین کی لالچ یا ان کی غربت کی مجبوری ایسے ہی اپنے ہی بچوں سے ظلم کرتی رہے گی پر کون جانے ایسا کب تک ہو گا۔



لاہور فٹ پاتھیا کھانے

اپریل 2011



ایک عرصہ لاہور رہے کھانا کھایا بہت ہے پر جو مزہ فٹ پاتھیا کھانوں کا ہے وہ کسی اور کا نہیں جب چیمبر لین روڈ پر تھے تو دوپہر کو اکثر چکڑ چھولوں سے لطف اندوز ہوتے تھے موڑ بنے تو ڈاکٹر کی نہاری وہ بھی سردیوں میں جا کر کھاتے تھے اتنی سردی پڑتی تھی کہ میز تک آتے آتے ٹھنڈی ہو جاتی تھی تو اس کا انتظام میز پر ہی برنر لگا کر کیا گیا تھا۔ پھر سردار کی مچھلی یا ہریسا کبھی کبھی لنڈا بازار میں ہوٹل سے پالک گوشت دال فرائی یا انڈے چھولے اس ہوٹل کے خاص بات وہ کاؤنٹر پر سونف رکھتا تھا جو واپسی میں چباتے ہوئے بڑا مزہ اتا تھا وہاں سے واپسی پر کونے پر موجود دودھ کی دکان سے پیڑے والی لسی طبیعت خوش ہو جاتی تھی کبھی کبھی نیلے گنبد سے کرم چانپ منگواتے تھے اور اتوار کو اکثر گھر والوں کے ساتھ دیال سنگھ لائبریری کے باہر سے گول گپے کھاتے تھے شام کو ہماری واپسی کے دو روٹ تھے ایک چیمبر لین روڈ سے اتر کر فوڈ گلی سے ہوتے ہوئے ہال روڈ مسجد شہداء پھر مال و مال سیکٹریٹ تک پیدل ہال روڈ پر کافی فروٹ والے ہوتے تھے تو پیر کی گرمی میں ٹھنڈی برف پر لگے ہوئے اڑوں کا مصالحے کے ساتھ مزہ ہی کچھ اور تھا۔ پھر رات کو ایچ کرم بخش کے باہر ایک چاچا بیٹھا تھا کلیجی کوئلوں پر بنی ہوئی اس کے ہاں سے اکثر کھاتے تھے ریگل کے دہی بڑے تو ویسے ہی مشہور ہیں گوماموں کی آئس کریم کا بھی نام ہے پر ہمیں پسند نہیں آئی الفلاح سنیما کے باہر سے بھی انڈا برگر کھایا پر مزہ نہیں ایا مسجد شہداء کے پیچھے چھولے والے سے سنا ہے نواز شریف بھی کھاتا تھا سو وہ بھی چکا بس غنیمت ہی ہے دوسرا روٹ سرکلر روڈ سے وایا شاہ عالمی موڑ بھاٹی تک ہوتا تھا اردو بازار کے باہر سردیوں میں ایک چاچا پٹھورے لگاتا تھا اکثر پارسل کرواتے تھے یا پھر بھاٹی پر ایک جٹی بیٹھی تھی جس کے پاس مکئی کی روٹی سادہ روٹی اور سرسوں کا ساگ ملتا تھا اکثر اس کے زمانوں میں قتللامہ بھی نوش کیا رہائش دبئی چوک پر تھی اور وہ تو کھانوں کا مرکز تھا قادر کا برگر پر بھائی بھائی بک



شاپ کے آگے ایک صاحب شام کو شوارما لگاتے تھے مسجد کے ساتھ افغانی تکے والے آ گئے تھے پیچھے گلی میں کراچی کے چھوٹے سموسے بھی ملنے لگے تھے بندو خان وہاں سے اٹھ کر رحیم اسٹور کے ساتھ آ گیا تھا تو اکثر اس کے بہاری کباب کھاتے تھے قادر برگر کے سامنے ایک صاحب سوزوکی میں چائنیز تین چار طرح کے رائس اور دو تین طرح کے شاشلک وغیرہ لانے لگے تھے۔

وہاں ہی ایک نیا ٹرینڈ شروع ہوا یہ سلاد کا تھا سلاد کے بار کافی لگ گئے تھے اور اپ اپنی مرضی سے مختلف چیزیں ڈلوا کر من پسند سلاد کمبی نیشن بنوا لیں برکت مارکٹ سے بنگالی کے سموسے اور اس کے پچھلی طرف کے دہی بھلے کھانے تو لوگ دور دور سے آتے تھے۔ ماڈل ٹاؤن ایکسٹینشن سے ماڈل ٹاؤن میں داخل ہو کر ایکسٹینشن سے جب آپ اندر آتے ہو تو دائیں طرف دوسرا ابھیا کباب والا ہے اس کے سامنے ایک گلی ہے جس میں وہ اپنی میز ے لگاتا ہے باقی وہاں اب تو اٹھ نو اسی نام سے کباب بیچتے ہیں اس کے کبابوں کی خصوصیت جب ہم نے پہلی دفعہ کھائی تو ہمارے دوست نے چار درجن منگوا یئے ہم حیران ہوئے پر روٹیوں کے آنے تک وہ سب کے سب ختم ہو گئے جس میں سے اکثر ہم ہی نے کھائے تھے اور ہمارا دوست صرف مسکرا رہا تھا بعد میں چار درجن اور منگوائے تا کہ روٹی تو کھائیں پھر اس کے ساتھ ٹھاٹھا کولا۔ گنے کا رس جیسے لاہور میں ملتا ہے اور کہیں نہیں لبرٹی کا مشہور ہے پر وہ ڈزیادہ لگاتا ہے اصل تو قذافی اسٹیڈیم کے پاس دو بیٹھے تھے ان کا ہوتا ہے ادرک ڈال کر ٹھنڈ پر جاتی ہے لبرٹی کے گول گپے مشہور ہے چار پانچ بیٹھتے ہیں پر صرف ایک کے اچھے ہوتے ہیں لبرٹی کی آئس کریم بھی مشہور ہے اس کے سامنے پھولوں والوں کے برابر گلی میں سے کباب رول اور بوٹی رول ملتے ہیں آخر والا کراچی کے طارق روڈ والے جیسوں کا مزہ دیتے ہیں جب پیس نیا نیا بنا تھا تو حفیظ سینٹر سے نکل کر وہاں چلے جاتے تھے دوسری منزل پر ترکش ڈشز مل جاتی تھی 99 کا ورلڈ کپ



وہاں ہی ایک بڑی اسکرین پر دیکھا شام کو مسلم مسجد کے سامنے سے 27 نمبر کی ویگن پکڑتے تھے جو سیدھا حفیظ سینٹر اتارتی تھی اہم نے مذنگ چنگی کی مچھلی بھی خوب کھای۔ اوپن ایئر تھلٹر میں ڈرامے کے انٹرول میں سخ بوٹی ٹھنڈی بوتل کے ساتھ اچھرے کی لسی وحدت روڈ پر لاہور بروسٹ والے کا فش پروسٹ اور اس کے سامنے کٹا کٹ کا تو ذکر ہی نہیں کیا ۔ رمضانوں میں برکت مارکیٹ سے بنگالی کے چکن رول اور یونیورسٹی کے



باہر سے دہی بھلے لے کر جاتے تھے ابھی تو شادمان اور سمن اباد کی چاٹ بھی رہ گئی سموسے اور مچھلی پکوڑے بھی رہ گئے اور کسی قسم کے فاسٹ فوڈ اور چائنیز کا تو ذکر ہی نہیں کیا نہ ہی انار کلی کی بریانی اور حلیم اور مٹکا گوشت نہ ہی میکڈونلڈ روڈ پر متعدد کھانوں کا جس میں وہاں کا بروسٹ دیسی چکن کی کڑاہی اور مرغ جھولوں کا نہ ہی لاہوری چرغے کا۔

نہ ہی فورٹرس اسٹیڈیم کی بلوچ سجی کا اتنا کھانا کھا جا کہ صرف ان کھانوں کے نام سے ہی یہ پوسٹ بھر گئی ہے اور ہمیں احساس ہے کہ بہت سی چیزیں رہ گئی ہیں باقی پھر کبھی صحیح اب کراچی کے فٹ پاتھیہ کھانوں کے بارے میں لکھنے کا سوچ رہے ہیں۔

کراچی کے فٹ پاتھیا کھانے

اپریل20:2011



ہم پلازہ فلیٹس میں رہتے تھے میری کلاکو کے پڑھے ہوئے ہیں میری کلاکو موجودا ناز شاپنگ سینٹر جو پہلے ناز سنما کے پیچھے ہوتا تھا ہم اکثر وہاں سے بندر روڈ پر نکلتے پھر سڑک کراس کر کے رمپا پلازہ کے ساتھ ساتھ اپنے گھر جاتے تھے رمپا پلازہ پہلے ٹرام گودی ہوتی تھی یہ کراچی میں چلنے والی ٹرامز کا اڈا تھا پیٹرول پمپ کے برابر ایک چاچا بیٹھتا تھا اس سے ہم نے پہلی بار کلاٹی واڑی چھولے کھائے تھے ہمارے اسکول کے باہر بھی آلو چاٹ والے گنڈا گولے والے بھنی ہوئی مکئی والے اور کلفی والے ہوتے تھے چاچے کے ساتھ کبھی کبھی ایک ماسی بھی اکر بیٹھتی تھی اس کے پاس آلو کچالو ہوتے تھے آلو کچالو ہم نے سندھ مدرسے کے باہر سے بھی بہت کھائے۔ پرانا کراچی مثلالی مارکیٹ برنس روڈ نیو چالی جوبلی وغیرہ آج بھی ایسے بہت سے کھانوں کے لیے مشہور ہیں شام کو ہمارے ماموں ہمیں ایم ایف کی آئس کریم کھلانے لے جایا کرتے تھے یہ موجودہ برنس روڈ پر اردو بازار کے بعد ایک دکان جو اب پرنٹرز کی رپیئرنگ کی دکان بن گئی ہے میں ملتے تھے شیشے کی گول پیالی میں سبز رنگ کی آیسکریم بہت مزے کی ہوتی تھی پھر ہم ناظم آباد آ گئے تو یہاں دودھ بوتل میں آتا تھا دودھ والے کی دکان ھمدرد کی فیکٹری کے پیچھے ہی تھی ہم اکثر باہر پڑی بوتل کا ڈھکن کھول کر آدھے سے زیادہ بوتل پی جاتے تھے اور پھر ڈھکن بند کر دیتے تھے اور دادی اکثر دودھ والے سے شکایت کرتی تھیں کہ وہ دودھ میں ڈنڈی مارتا ہے اور وہ قسمیں کھاتا تھا اور کہتا تھا کہ شاید بلی پی گئی ہوگی اور اس بات کا جواب اس کے پاس نہیں ہوتا تھا کہ بلی ڈھکن بند کیسے کرتی ہے یہاں گورنمنٹ کالج کے گیٹ کے باہر کافی قسموں کی چیزیں ملتی تھیں 72 کے بعد کافی بنگالی آ گئے تھے ان کی اسپیشلٹی ایک تو لال بادام ہوتی تھی اور دوسرا اجلا ہوا بادام لال بادام اب کراچی میں نہیں ملتا پہلے ہر اسکول کے باہر سے باسانی مل جاتا تھا ہمارے گھر میں اس کا ایک پیڑ بھی تھا پھل بھی آتا تھا پھر جانے کیسے وہ پیڑ سوکھ گیا ہم اکثر پریمیئر کالج کے باہر نالے پر لگے ہوئے پیڑوں سے بیر توڑتے تھے پہلے ناظم آباد میں جگہ جگہ بیروں کے جھاڑ مل جایا کرتے تھے تو یہ بیر تو مفت ہی کھاتے تھے والد کے چچا نارتھ ناظم آباد میں سابقہ صغری بھائی ہاسپٹل کے پیچھے رہتے تھے اکثر وہاں چلے جاتے تھے شام کو وہاں سے حیدری جاتے اور وہاں سے کبھی پانی پوری کبھی بوہریوں کے سموسے پکوڑے اور دال چنا آلو چنا بیل پوری کچوریاں وغیرہ لاتے تھے



کچوریاں ویسے جونا مارکیٹ کی اچھی ہوتی تھی جو کہ والد صاحب فرمائش پر لاتے تھے جب والد صاحب کے دفتر جاتے تو وہ نگار سینما کے پاس سے ہمارے لیے خاص طور پر بھنی ہوئی چانپیں منگواتے سردیوں میں سبز چائے والے مارکیٹ میں پھرتے تھے یہ اپنی پیٹھ پر ایک بڑی سی سراہی بانتھ کر اس میں سے چائے پلاتے تھے انہیں پاوالی کہتے تھے۔

اس کے علاوہ میمنوں کے دال چاول بھی بہت کھائے ایک زمانے میں حیدری کے پیچھے جہاں اب یونائیٹڈ بینک ہے کچھ مدراسی آکر رہے تو انہوں نے گھر میں مدراسی کھانوں کا ڈھابا کھول لیا اڈلی دوسہ اور ساتھ دالوں کی ڈش اچار آور چٹنی کے ساتھ چھوٹی چھوٹی پوریوں کے ساتھ اکثر پارسل کرواکر گھر لے جاتے تھے اب تو شہر کی ہر اسٹریٹ فوڈ اسٹریٹ ہی ہے تقریبا۔ جہاں ہماری کھولی ہے وہاں سے ہمیں چار طرح کے تکے بوٹیاں کباب چار ہی مختلف نہاری والے سات آٹھ کباب والے دو مچھلی والے تین چار بریانی والے گلاٹی واڑی چھولے والے گولا گنڈا والے ایک شوارمے والے متعدد سموسے اور پکوڑے والے کئی پٹھانوں کے چائے کے کھوکے جہاں سے انڈا پراٹھا رات کو اور چنا پراٹھا صبح صبح ناشتے کے لیے مل جاتا ہے سردیوں میں کافی سارے سوپ والے بھی آجاتے ہیں جن کے چکن کارن اور مکس ویجیٹیبل اور ہاٹ اینڈ ساور سوپ کا ذائقہ الگ الگ ہوتا ہے اس کے علاوہ پیزا شزا بھی مل جاتا ہیں نہاری اور حلیم بھی مل جاتی ہے کورمہ دال چاول کڑاہی وغیرہ کی بھی دکانیں ہیں ایک دفعہ صدر میں لسی والے کے یہاں سے پسندے کھائے تھے فرائی کر کے سرکے اور ہری مرچ کے ساتھ اب جب وہاں گئے تو لگتا ہے دکان اٹھا گئے کیونکہ اب وہاں چائنہ موبائل اور الیکٹرانکس والے بیٹھے ہیں برنس روڈ تو ویسے ہی کھانے پینے کے لیے مشہور ہے سندھی بریانی دہی بڑے کلفہ کھویا اور برفی والی کلفی نہاری کیا بات ہے اب تو برگر انڈا برگر بن کباب فرنچ فرائیز کے ساتھ کئی جگہ سے مل جاتا ہے طارق روڈ کے رول اور فش اینڈ چپس اپ کا پتہ نہیں پر نیو ٹاؤن مسجد کے نیچے سے شریفے کاٹ کئی دفعہ پیا وہاں ایک صاحب نے سی فوڈ کا کام شروع کیا تھا پھر چلے گئے غالبا اتنا کامیاب نہ ہوا بہاری کباب تو آغا جوس ہاؤس ناظم آباد کے سامنے ایک ٹھیا لگایا کرتا تھا لوگ دور دور سے اتے تھے بہاری کباب اب تو باربی کیو والوں کا ایک آئٹم ہو گیا ہے پر اس جیسا ذائقہ کہاں اب وہ علاقہ غیر محفوظ ہو گیا ہے سو وہاں جانا چھوڑ دیا حالانکہ بچپن تو ہمارا تقریبا سارا کا سارا ناظم آباد کی گلیوں میں ہی گزرا کیا ایک نمبر کیا گول مارکیٹ کیا چار نمبر ہادی مارکیٹ ہم ہوتے تھے اور شاہد سپورٹ سے لی ہوئی کرائے کی سائیکل۔ ڈاکخانے کے پاس سے مچھلی کا کٹا کٹ ملتا ہے اور بہترین ہوتا ہے کھڑے مصالحے والا



۔ناظم آباد کا چورنگی پر مسٹر برگر نیا نیا آیا تھا چپس کے تیار ہونے کی سوندی سوندی خوشبو کے لیے ہم خواہ مخواہ میں وہاں جا کر 10 روپے کے چپس کا آرڈر دیتے تھے اور پھر آہستہ آہستہ کیچپ کے ساتھ کھاتے تھے عید پر مختلف مارکیٹوں میں فوڈ میلے لگتے ہیں ہم نے رات دو بجے بھی ساحل سمندر کے بریانی سینٹر پر رش دیکھا ہے حالانکہ اس پاس کا سارا علاقہ بائیں بائیں کر رہا تھا ساحل سمندر پر مچھلی بھی اچھی ملتی ہے جو اپ وہاں تختوں پر بیٹھ کر کھا سکتے ہیں سنا ہے مائی کالاچی کے پل کے نیچے ایک بہت بڑا فوڈ سینٹر کا منصوبہ تھا پتہ نہیں کیا ہوا ہمیں تو وہاں کا ہندوؤں کا مندر ہی یاد ہے جہاں ضیا کے زمانے میں روزے دار جایا کرتے تھے تا کہ ان کی پوری کچوریاں کھا کر اگلے روزی کی تیاری کر سکیں یہ اور بات ہے کہ یہ روزہ دوپہر سے شروع ہوتا تھا۔



آگے یار زندہ صحبت باقی

لاھور کی بقرا عیدیں

اپریل 2011



ہم جب تک بھٹی صاحب کے کرایہ دار رہے جو کہ تقریبا 11 12 سال تک تھے ہم نے ایک آدھ دفعہ کے علاوہ کبھی خود سے بکرا نہیں خریدا اور نہ ہی کبھی قربانی کے لیے قصائی کیا بھٹی صاحب ماشاءاللہ سے ہر سال سات آٹھ بکروں کی قربانی کرتے تھے ہر سال دبئی چوک پر نرالا کے سامنے میدان میں ایک بکرے والا آجاتا تھا وہ بکرے تول کر بیچتا کرتا تھا30. 40 جانور لاتا تھا بھٹی صاحب ان میں سے ہر سال کبھی 10 کبھی 12 اور ایک سال تو 22 بکرے بھی خریدے تھے اپنے سات آٹھ اسکے علاوہ کسی سال ایک اور کسی سال دو ہمارے ہوتے تھے اور چھ سات محلے والوں کے لیے ہوتے تھے بکرا عید سے ایک رات پہلے اس کے پاس پہنچ جاتے تھے اور جتنے بھی بکرے خریدنے ہوتے تھے چن لیتے تھے پھر ان کو تول کر مول لگوا لیتے تھے اور یوں ہر سال ہول سیل خریداری کرتے تھے ایسے سستے پڑتے تھے کیونکہ اکٹھے خریدنے پر بکرے والا رعایت کر دیتا تھا اس کے بھی اکٹھے بک جاتے تھے زیادہ جنجال نہیں اٹھانا پڑتا تھا اور باقیوں کو بھی خوار نہیں ہونا پڑتا تھا جانور اس کا صاف ستھرا اور اچھا ہوتا تھا انہیں 1211 سال میں ہم نے کبھی قصائی بھی نہیں کیا سو ہمیں تو معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ اس سیزن میں قصائی کا ریٹ کیا چل رہا ہے بھٹی صاحب سارے کے سارے بکرے خود کیا کرتے تھے بکرا عید والے دن صبح صبح نماز پڑھ کر وہ اور ان کی فیکٹری کے چار پانچ ملازم آجاتے تھے پچھلے صحن میں لائن سے بکرے گرا دیتے تھے جس جس کا ہوتا تھا وہ اس پر چھری پھیر دیتا تھا پھر ہر کوئی اپنے حصے کا کام کیا کرتا تھا ہم نے چھری پھیرنا اور کھال اتارنا اور بعد میں گوشت میں سے ستھرے طریقے سے چانپیں بنانا ایسے ہی سیکھا خاص مصالحہ بنانا بھی اور بہترین طریقے سے بھوننا بھی ایسے ہی سیکھا ہمارے مصالحے اور بھوننے کی کافی ڈیمانڈ ہوگئی تھی گوشت پر مصالحے میں ہم سرکے اور دہی کا استعمال کرتے تھے ایک خاص تناسب سے جس سے اس میں نرمی بھی پیدا ہوتی تھی بن بھی جلدی جاتا اور اس کے اندر رس بھی رہتا جو ایک جو کہ ایک الگ ہی مزہ دیتا ہے۔

غرض جتنا عرصہ لاہور میں بھٹی صاحب کے کرایہ دار رہے بکرا عید ایک الگ شان سے منائی اب یہاں کراچی میں حالات الگ ہیں کوشش کرتے ہیں کہ کم از کم ایک حصہ گائے میں ہی ڈال لیں سات آٹھ سال ہوئے اس سال تو حصہ بھی نہ ڈال سکے اگلے سال انشاءاللہ ڈالیں گے۔ گائے کے حصے کا 3950 سے 4700 روپے کا حصہ بنتا ہے 4300 روپے ہو گئے ہیں اللہ بہتر کرے گا۔

ہماری زندگی کا معمہ

اپریل 2011



یہ ہماری زندگی کا ایک معمہ ہے ہم عام طور سے لڑکیوں سے دور ہی رہے نہ ہی کسی اور لڑکی نے ہم میں کوئی خاص دلچسپی لی اور اگر لی بھی تو ہمیں پتہ نہیں چلا پر جب بھی ہماری زندگی میں کوئی نہ کوئی کرائسس آئے جانے کہاں سے کوئی نہ کوئی لڑکی یا خاتون ڈوبتے کو تنکے کے ساتھ دینے اگئی ہماری بہن کی شادی تھی والد نے ہی اپنے تمام بہنوں اور بھائیوں کو پڑھایا لکھایا اور ان کے گھر بنائے تھے اور اپنے بہن بھائیوں کی ذمہ داریوں کی وجہ سے اپنی ہی اولاد کو بری طرح نظر انداز کیا تھا والدہ کی بینائی کا مسئلہ تھا پر پھر بھی وہ ہماری ہر ممکن تربیت کی کوشش کرتی تھی پر جب ان کی اپنی بیٹی کی شادی ہونے لگی ہونے کو ائی تو گھر میں ایک بھونچال سا آگیا معاملات بہت زیادہ کشیدہ ہو گئے یہاں تک کہ تمام کاروبار کا بٹوارہ کیا گیا اور ہمارے والد کے حصے میں صرف ایک خالی دکان آئی باقی تمام سرمایہ روپیہ پیسا تمام چچوں اور پھوپھیوں کے ہاتھ چلے گئے ہمیں وہ گھر چھوڑنا پڑا اور ایک اور کرائے کے گھر میں جانا پڑا وہ دوسرا گھر بکھرا بکھرا سا پر برکت والا تھا ہمارے والد نے دکان کے پچھلے حصے پر ایک دروازہ لگوا دیا اور اس کا ہمیشہ بند رکھا اور خود اگلے حصے میں دو میز ڈال کر بیٹھ گئے پچھلے حصے کو بند رکھنے کا مقصد تھا کہ گاہک کو پتہ نہ چلے کہ پچھلے حصے میں کتنا مال پڑا ہے خالی دکان میں گاہک نہیں آتا سو اس طرح اپنے مال پر پردہ ڈال دیا گاہک سے سودا کرنے کے بعد وہ بازار سے مال کا ارینجمنٹ کرتے تھے ایسے میں ان کی مالی حالت پر بھی پردہ رہتا تھا اور بھرم بھی قائم رہتا تھا والد کہا کرتے تھے دکاندار کو دو ہی چیزیں چھپا کر رکھنی ہوتی ہیں ایک مال دوسرا دام مال سے مراد کہ کتنا مال موجود ہے اور کتنا مال مہیا کر سکتے ہیں اپ خود دیکھ لیں گاھک بڑی دکان سے مال لیتا ہے بہت کم چھوٹی دکان پر چڑھتا ہے پر 80 فیصد سے زائد ہمارا مشاہدہ اور تجربہ ہے وہی بڑی دکان والا کسی بظاہر چھوٹی دکان سے وہ مال لے رہا ہو گا یہاں اصل میں وہ چھوٹی دکان والا ہی بڑا ہول سیلر ہو گا بس اس کے پاس جگہ کی کمی ہو گی یا وہ خود ریٹیل نہیں کرنا چاہتا ہو گا اسی لیے صرف سپلائی کا کام کرتا ہو گا اور سپلائی کے کام کے لیے دکان نہیں گودام کی ضرورت ہوتی ہے خیر چھوڑیں ان کاروباری باتوں کو خیر ہماری بہن

کی شادی پر ایک ہنگامہ تھا کافی حالات خراب تھے یہ تو آفرین ہے کہ دولہا والوں نے معاملات کو سمجھا اور ہمارا ساتھ دیا خیر اب بہن اللہ کے کرم سے اپنے بچوں کی بھی شادی کر چکی ہیں اور میاں بیوی سال کے سات آٹھ مہینے امریکہ میں لگاتے ہیں پر اس واقعے سے ہم بالکل ہی ٹوٹ گئے ہمیں پہلے بھی والد کی توجہ نہیں ملی پر اس کے بعد تو ہم بالکل ہی عجیب سی تنہائی اور بیزاری کا شکار ہو گئے اس وقت ریبیکا الیگزینڈر ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سا بن گئی نانا غلط نہ سمجھے اس میں کوئی عشق عاشقی وغیرہ کا کوئی چکر نہیں بس جانے کیوں وہ ہم سے گھلنے ملنے لگی حالانکہ یونیورسٹی میں بہت سے لڑکے اس کی ایک نظر کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔



پر جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ کوئی عاشقی واش کی یا فلرٹ وغیرہ کا چکر نہیں بس اس سخت وقت میں اس کا اچانک ہی سے ہم سے گھل مل جانا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا تھا ہم نے کبھی بھی اپنی گھریلو مشکلات کسی سے بھی ڈسکس نہیں کی اپنے کسی دوست سے بھی نہیں اور اس سے بھی نہیں لیکن اس کا اس طرح اچانک آنا ہی ہمارے حوصلوں کو سہارا دینے کے لیے کافی تھا اور ہم جانتے ہیں اس کو بھی پتہ نہیں ہو گا کہ اس نے ہماری اس طرح انجانے میں کتنی مدد کی تھی اس کے لیے ہمارے دل سے دعا نکلتی ہے کہ وہ جہاں بھی رہے خوش رہے اور ہمیشہ کامیاب رہے ایسے ہی ایک کبراً ٠ میں ہماری ملاقات رابن بیل میں سے ہوئی روبن غالبا امریکہ میں رہتی ہے ہم نے اسے اج تک دیکھا نہیں بس ائی سی قیو پر بات ہوتی رہتی ہے ایسے ہی لنڈا ہیرس ہم اس کے بارے میں تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ رہتی کہاں ہے لیکن اس کے گہرے مشاہدے اور بات کی تہہ تک پہنچ جانے کی خوبی نے ہمیں نیا راستہ دکھایا ہے زندگی کے تلخ تجربوں سے ہم نے ایک ہی چیز دیکھی ہے کہتے ہیں اپنا مارے تو چھاؤں میں ڈالے پر ہمارا کہنا ہے مارتا بھی صرف اپنا ہی ہے سو اس کے بعد سے ہم نے تمام لوگوں سے بس وجہ بھی سی اخلاقی اور وزاداری کی حد تک تعلق رکھنے کا تہیہ اور مصمم ارادہ کر لیا ہے ہمارے اس فیصلے سے بہت سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے پر اس میں بھی انہی کی بہتری ہوتی ہے ایسے میں گہری ضروری توقعات بننے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے اور ائندہ کی کسی برائی تکلیف اور مایوسی سے انسان بچ رہتا ہے۔

ALONE

A Sea is All around Us and yet we are alone.

Every drop is Alone. Every wave is Alone.

No one was near me; all were very far.



In this crowded ocean, my soul was all alone.

Then you came along, now I was not alone.

in the rhythms of the waves, we were both alone.

Those lake deep eyes, those magician eyes.

those seas of tenderness, those alluring eyes.

Drowned me in a sea of mystery and illusion. and I was all alone.

Someone touched my being, and I woke from a dream

I searched for you everywhere. and was Left alone.

All our memorable moments were with me. and I was again alone.

I wrote these words on the sands.

and waves washed them from the sands.

And I was left alone, and you were left alone.

I know I am alone, but you too are alone.

Dreams that were never dreamt

March 2 : 2011



A SHADOW lurking in the dark,

Crying out his heart

For his own follies,
for FOLLIES he never did

The DREAMS he never dreamt
closed on him like CLOUDS

Engulfing his soul, a lost SOUL

in the MAZE of ILLUSION

……Strange starry happenings
Broke His Dreams,

and Brought New DREAMS
DREAMS about DREAMS,
DREAMS in the DREAMS

And The Shadow Lurking in the Dark...?

Lost Himself in DREAMS he never DREAMT
And No One Could DREAM his DREAMs

………………..

……………...NOT EVEN HIMSELF….

LOST SOUL



YOUR eyes so SAD

YOUR being so ALONE

YOUR soul so LOST

…YOU wandered on the untrodden paths of SELF
bewildered confused…….…afraid of yourself

YOU were not you
YOU were someone ELSE
…YOU were so unlike YOU
…YOU shut yourself in YOU

……………...YOU LOST YOU

کچھ تم نے سنا



کچھ تم نے سنا کچھ ہم نے سنا،

جو سننا تھا سن سن کے سنا،

کیا تم نے سنا جو ہم نے سنا،

یا تم نے سنا جو سب نے سنا،

سن سن کے سنانے سننے میں،

اور یہ بھی سنا کہ وہ بھی سنا،

اس سننے سنانے سننے میں،

نہ تم نے سنا جو سننا تھا،

سن سن کر سناتےسنتے ہی ،

پھربھی یہ کہا کہ کچھ نہ سنا،

اب سننا ہے تو پھر سن لو،

نہ تم نے سنا جو ہم نے سنا،

جب سن ہی لیا تو پھر سن لو،

کہ وہ نہ سنا جو سننا تھا،

نہ تم نے سنا نہ ہم نے سنا،

اور سب نے سنا کہ کچھ نہ سنا،

جب کچھ نہ سنا اور پھر یہ سنا،

سب سننا سن بیکار سنا

آبلہ پا

آبلہ پا رخت سفر ہے ہمارا

اکیلے چلنا عادت ہے ہماری

جن راستوں پر میں چلتا ہوں

جنو ن زیست چاہے ان پر

وہ آگ وہ تپسش وہ بھنور

ہر کوی نہیں ٹکتا ان کے اگے

سو اکیلے چلے تھے

ہم قافلے کے ساتھ

قافلہ منزلوں میں گم ھوا ،

اور ھم چلتے رھے اپنی ڈگر



سو اس تنہائی کی عادت میں

سب اجنبی مانوس اجنبی

سب رشتے سراب رشتے

خاک و دھول پڑے سر میں

اور جنوں کی منزلیں ہی ہماری منزل

زخم تیرگی



میرے خوابوں میں تمہاری خوشبو تھی

اور تتلی کے پروں پر تیری شبہہ تھی

دھنک کے خوش رنگ پیراہن میں

ست رنگی سی خشبو کی خوشی تھی

تمھارے پاس جو قفس زنداں تھا

وہ پابند سلاسل زنجیر انا تھا

اس کتابی چہرے پر جو کہانی تھی وہ میری تھی

بھر اس میں لگی وہ تصویر کس کی تھی

تیری خشبو کا جھونکا تھا کہ کیا تھا

پھر میرا جگر کس شے سے کٹا تھا

اک لہک سی تھی ،بے نام سی خلش فزآوں میں

اس کے سانس کی خشبو،جلترنگ سی تھی ھوآوں میں

وہی بیجان سا لاشہ تھا میرا

چیختا ،چنگھاڑتا ،جانکنی کے عالم میں

لوپھرمہیب پراسرار خاموشی وہ کہہ گی ،جو پنہاں اسرارانا تھا

میرے رنگوں میں یہ سیاہ رنگ کس نے بھرا

وہ تو ست رنگ دھنک کے رنگ ساتھ لاے تھے

مختصر"آ



چند لمحوں کے لیے اک سایا سا لرز گیا

چند لمحے پھر کہیں کھو گیے

متاع حیات پے تو رہزن تھا

تم رہزن پے جاں نثار ہو گیے

فریب زیست

ہم سراب بستی کے آشفتہ سر لوگ

اک جگنو جلتا ہے ہمارے تخیل کی رہگزر پہ

تنہائی کی آواز کو کتنے لوگ سن سکتے ہیں ؟

جو سن لیں انکی ،منزلیں الگ

رستے الگ پیراہن الگ ،دنیا الگ



رنگ ریزہ اب ریزہ ریزہ ہے

مرشد صرف فنا چھوڑ گیا اب

وہ جو تتلیٔ کے پر تھے رنگوں بھرے

اب تو ان سے روح کی بیرونکی چھلکتی ھے

اور پھر اک مہیب تنہائی اور اک چیخ

رستے زخموں پر نمک کا مرہم

کون جانے کتنے زخم ابھی باقی ہیں

اور تیری نشتر سی مسکراہٹ کا ستم

نشتر نظریں

یہ انکی معصوم بی خبر نشتر نظریں

ہم بنے بت کھاتے رہے نشتر نظریں

یہ انتہا سنگدلی اور یہ نشتر نظریں

یہ خاموشی یہ شکوہ یہ احساس اور نشتر نظریں

چند لمحوں کو خاموش سی چپ چپ سی

چیختی چنگھاڑتی برستی نشتر نظریں



یہ سطحی احساس کا خالی خول

یہ درد بھرا دل اور نشتر نظریں

یہ لہو سا ٹپکے ھے میرے زخموں سے

یہ ہر قطرہ آگ سی نشتر نظریں

یہ زمانوں مکاں سے آزاد خیال

یہ قفس زنداں انا کی نشتر نظریں

یہ جھکی جھکی سی آنکھیں یہ پیوند لب

یہ رستی ہوی احساس کی نشتر نظریں

یہ میری تنہائی اور احساس کا بت

چھلنی چھلنی ریزہ ریزہ کریں نشتر نظریں

یہ اداسی یہ بہار خزاں کی چپ چپ سی

دل گزار اور تیز دھار آرا سی نشتر نظریں

یہ ٹھنڈی ٹھنڈئ دھیمی دھیمی تنہائی

یہ بکھرا تی سلگاتی یادوں کی نشتر نظریں

وہی منزلیں وہی راستے

وہی منزلیں وہی راستے وہی خار دار جھاڑیاں

وہی سلگتے لمحے وہی بے کلی وہی نشتر دل گلزاریاں

وہی احساس کی پژمردگی وہی زخم کی نمک پاشیاں

وہی الزام الفت کا بہانا وہی سلگتے دل کی کرچیاں

وہی زات کا اژدھم وہی تھکی تھکی تنہا یا ں

وہی بہاروں کی مہک وہی صحرا کی خزاں

وہی قفس وہی زنداں وہی امید آزادیاں

وہی منزلیں وہی راستے وہی خار دار جھاڑیاں



حاصل زندگی



اک لمحہ ہی ہے حاصل زندگی

اک لمحہ ہی ہے لحد کا فاصلہ

پل پل جانے کتنے جہا ں

اک ٹک میں بدلے بدلے جہاں

بے ثباتی آرزو من جلائے

دیپک کی آنچ ہی ہے حاصل زندگی

وہ جو آس کا اک قطرہ ہے

ہزاروں بحر ہیں جس میں سمائے ہوئے

الگ الگ زات کا ریشہ ریشہ

تڑپتا ھے ایسے کہ مہلت بھی نہ ملے

جانکنی کا یہ عالم اور یہ زندگی

جیسے تختہ دار پہ پڑا اک پرسکون لاشہ

اک لمحہ ہی ہے حاصل زندگی

اک لمحہ ہی ہے لحد کا فاصلہ

It's not the years in your life that count. It's the life in your years!

(Abe Lincoln)

گمشدہ ہم سفر



کوئی زاد راہ نہ تھا ، کوئی ہم سفر نہ تھا

وہ جو میرے ساتھ تھا وہ میرا ہم سفر

اسی کی مجھے تلاش تھی

میں دھونڈ تا پھر رہا تھا منزلیں

اور منزلوں کو میری تلاش تھی

ہر موڑ پر ہر اگلی منزل کی طرف

میں چل دیتا میں رک جاتا

مگر منزل مجھے نہ ملی

وہ جو میرے ساتھ تھا وہ میرا ہم سفر

وہ جس کی مجھے تلاش تھی

وہ بھی خاموش تھا میں تنہا تھا

مجھے اسی کی تو تلاش تھی

اسی کے دو ارے کئِی بار لوٹا

اسی کی گلی سے کئِی بار گزرا

میں ڈھونڈتا پھر رہا تھا اس کا پتا

مگر وہی تو میرے ساتھ تھا

من کا جوگی

اس من میں کیسا جوگی من کو آپ منائیں



اس کا دریا پاس ہے تیرے من کی پیاس بجھائیں

جلتے دیپک روشن انکھیاں من میں اس لگائیں

سلگی سانسیں ٹھنڈی آہیں من میں آگ لگائیں

مہکی مہکی ہے تنہائی من سے باہر آئیں ؟

جگ مگ جگ مگ چاند ستارے من میں دیپ جلائیں

تیکھی تیکھی نیچی انکھیاں من گھائل کو بچائیں ؟

دل کی اینٹھن کیسی وحشت من کی چبھن بڑھائیں

من بنجارا دکھ کا مارا کیسے ٹھنڈک پائیں ؟

من کا بیری ایک اسیری کیسے من کو بچائیں

روگ لگا کے دیپ جلا کے من میں لگن لگائیں

من کو دھونڈے من بیچارہ من سے مل نہ پایں

دور کھڑا ہے بہت دھواں ہے من کو دیکھ نہ پائیں

رکتی سانسیں بہت گھٹن ہے من کے پاس تو آئیں

اس صحرا میں اب کوئی نہیں ھے

ہائے کہاں اب جائیں



من بیچا رہ



کبھی رک کے کبھی چل کے

کبھی تھم کے پھر یہ چھلکے

ہے یہ ساگر نا ہیں مینا

نہ ہی جام ہے نہ ہی جم ہے

ہے یہ بھٹکے تو یہ تھک کے

نہ ہی بیٹھے نہ ہی روکے

لاگے روگ تو یہ ھنس کے

نہ ہی محفل یہ ھووے

اک مسافر اسے چلنا

اسے جگ میں نہ ہیں رکنا

جب یہ رکے تو یہ روکے

پورے من کو پورے تن کو

اسے رکنے نہ ہی دینا

کہ یہ من ہے کہ یہ من ہے

مضطرب دل مضطرب

مضطرب اے دل مضطرب

شعلہ سا لپکے ہے اے مضطرب

یہ چمک یہ خیرہ خیرہ نگاہ نہ ٹھیرے ہے اے مضطرب

وہی چہرا پھر وہی چہرا اجنبی ہے اب دل مضطرب

یہ تڑپ یہ قرب یہ طلب تشنہ رہ گی اے مضطرب



نہ منزل نہ نشاں گرد آوارہ اے مضطرب

تندو خو یہ گرداب سفر

اور میں تنکا تنکا اے مضطرب

یہ تھکن ہے بے جان و بلب

نہ سایہ نہ شجر اے مضطرب

تلا ش من لہد تا ابد

وہی ساتھ ہے اے مضطرب

اے مضطرب دل مضطرب

اے مضطرب دل مضطرب

سونا سی کرنیں



بہتے بہتے جی چاہتا ہے کہ بہہ جاوں

پتھر سخت ہیں نو کیلے جی چاہتا ہے سنبھل جاوں

لہریں تند و خو طغیانی سی ہے سمندر میں

سورج کی کرنیں ہی صرف میری مشعل راہ ھیں

اندھیری رات کے اندھیارے میں ابھرنے والی کرنیں

سونا سی پھیلانے والی کرنیں امید دلانے والی کرنیں

مگر منتشر منتشر سی چاروں طرف پھیلی ہویی کرنیں

کون سی کرن میری کرن ھے

کون سی روشنی میری منزل کی روشنی ہے

اور میں بہہ رہا ہوں سنبھل رہا ھوں

پر سا حل سے دور ھو رہا ہوں

کنارہ ہے کہ نظر نہیں آتا

روشنی بہت دور ہے ساحل نظر نہیں آتا

اور جی چاہتا ہے --------------------

بہتا ہی رہوں ----------------



گوشہ تنہائی



آج پھر میں ہوں اور گوشہ تنہا ی ہے

آج پھر مجھ کو حسیں صورت یاد آئ ہے

دل کا زخم ہے اور میری اداسی ہے

نمک سے بھرا سمندر میری دوا سی ہے

ابلتے پہاڑوں کے سینے میں اک لاوا ہے

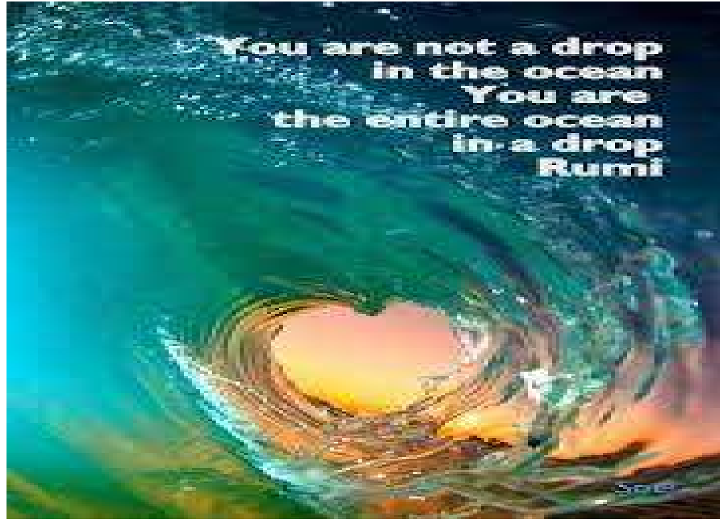
میرے دل کی بھٹی اب بنی انگارا ہے

روح کی خاموشی ہے اور دل کی اداسی ہے

صحرا کی آبادی سے زیادہ دل میرا ویراں ہے

متفرق شاعری

اک اک قطرہ تھا میری زات کا دریا لیکن
اس سمندر میں اک قطرہ کہاں تلاش کروں





محبت میں چاک گریبانی کا قائل نہیں ہوں میں
پر کیا کروں اب سلتے نہیں ہیں یہ پیوند
تیری پہچان کی خاطر ہی تجھ سے ملتا ہوں
لوگ مجھ کو کہیں دیوانہ تو میں کیا کروں

Never Judge a Book by its Cover



He was limping around on his crutches and in rag tag clothes, that were dirty and torn from a few places.

As expected, he was treated like a Begger...!! Perhaps he WAS a beggar, I thought, he would try to enter a shop and the shop keeper or his servant would say "Maaf karoo baba ", with his head hung down he would, try his luck at the next shop

At a few shops someone did give him some money, he said nothing, but with a cynic smile on his face put it in his rag tag pocket and moved to the next shop

During the interim period after passing my Intermediates and waiting of admission in university. I used to loiter around and would often visit my father's shop in Doodh Gali, Juna market, main attraction "Chanps" [Spareribs]

Just opposite Nigar cinema, there was this hotel, whose specialty was these "Chanps" and with Nan and raita with generous doze of Salad with it, they were my favorite's

I was watching him, absent mindedly, then he came to our shop and entered it, our sales man was about to

shoo him off, my father gestured him to do nothing, the man hesitatingly stepped in and finding no negative reaction, couraged himself to the Product shelves, our sales man was again about to say “we do not retail and ours is a wholesale shop” but again my father gestured him to stay quiet

The man looked back, first at the salesman then at my father and then turned back to the shelf, picked up a product and looked back at my father, without saying anything my father quoted the price, he considered it and then put it back and moved to the next product.

He did so for a number of products, he would pick the product and enquiringly look at my father and he would simply quote the price without saying anything else.

Then he came to my fathers table and dragged the chair and sat himself on it. My father still said nothing and I kept looking at him

He then took out a worn torn piece of paper from his pocket and looked intently at it, and gave it to my father. My father looked at it, and on a piece of paper, started scribing something, once looking at his paper then writing on his paper, then gave both the paper back to him

He put his list back in his pocket and looked at the paper my father has written, intently, and then in an arguing tone said to correct it. My father took it back, re-examined it and then gave it back and said, everything is correct. He pondered on it, took his piece of paper out from his pocket looked at it, and then as if satisfied, bought out his purse, took out some Rs 10,000 from it and gave it to my father, and again took

out another paper, and said, this is the transport address, I will collect the bilty in around 2 hours

Its only then I realized he has just purchased around Rs 10,000 worth products from us, mind you in current terms it would be around Rs 1 Lac.

Then he slowly stood up from the chair, and with no worry on his face, went down the street, I went after him, he trudged, rather dragged him to the corner of the street, stopped, took out the sympathy money given to him by the shopkeeper and without counting, put them in the donation box of some Madrassa there without counting.

Its then I realized and learned a lesson again, i.e. never to judge a book by its cover.

Later that night, on our dinner table I asked my father how did he knew that he was a trader, my father looked at me, and said, while he was young and struggling as a trader, he used to visit various cities for his order, and at small town in interior Sindh he saw a similar shopkeeper sitting in a shop .so when he saw him, his immediate thoughts were, perhaps its him. But no, he was not that shopkeeper. He was a trader from Multan.

Later I moved to Lahore, but whenever I visited back, and went to my father's shop, I would often find Bilties with his name on it, that were to be posted. So, he had become our regular customer, I looked in the debit ledger and there was very little amount against his name, so he was a good customer. In our trade it was normal to be a payment at late as three months, but his was hardly two or three weeks late.

علم دین کا المیہ

3اپریل،2011

قسم:علم دین



علم دین ہمارے ساتھ سیٹھ کے ہاں کام کرتا تھا۔ کسی زمانے میں اپنا کاروبار تھا، پھر حالات نے پلٹا کھایا اور سب کچھ ختم ہو گیا اور یوں وہ سیٹھ کے ہاں آ گیا۔ آدمی ایماندار تھا کام محنت سے کرتا تھا۔ ہمارے سیٹھ میں ایک خوبی ہے وہ تنخواہ کم دیتے ہیں پر کام پر کمیشن دیتے ہیں یعنی آپ جتنا کام کرو اتنا کماؤ۔

کاروباری حالات سب کے سامنے ہے، خدا کسی کو تو چھپڑ پھاڑ کر دیتا ہے اور باقیوں کو پورا پورا۔ سو اس فرم میں بھی سب کو بشمول سیٹھ کے بس پورا پورا ہی مل رہا تھا جو کہ ناکافی ہے۔ علم دین کی زوجہ محترمہ اچھے دنوں کی پلی ہوئی تھی، کچھ عرصہ تو برداشت کیا پر حالات کی نزاکت دیکھ کر اس کو بھی میدان میں اترنا پڑا، اور گاڑی کا دوسرا چلتا ہوا پہیہ بننا پڑا۔ جانے کیوں اپنی کمائی ہاتھ میں آتے ہی علم دین کی عزت کم ہونا شروع ہوئی۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ علم دین دو دن تک بخار میں تڑپتا رہا اور گھر میں کسی نے پانی بھی نہ پوچھا۔ سچ ہے مڈل کلاس گھروں میں اکثر مرد کی عزت وقت تک ہے، جب تک وہ کما کر لا رہا ہو۔ علم دین کی کمائی کافی نہیں تھی سو عزت بھی کافی نہیں ہونے لگی۔

پھر علم دین کی زوجہ محترمہ نے سوچا کہ شاید اب علم دین بوجھ بنتا جا رہا ہے۔ کما کر تو کوئی خاص لاتا نہیں، شاید اب گھر میرے خرچے سے چل رہا ہے، پھر ایسے موقعوں پر صلاح دینے والے رد بھی تو آ جاتے ہیں۔ خیر حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ علم دین کی زوجہ مائکے چلی گئیں۔

اب علم دین اکیلا ہوتا ہے، دل کی بات نہیں کہتا، رشتہ دار دوست وغیرہ بھی ساتھ چھوڑ چکے ہیں اور کوئی بھی ایسا نہیں جو اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان کوئی مفاہمت کا راستہ نکالنے میں مدد دے۔ ایک آدھ دفعہ ہم نے سوچا اور اشارے کنائیوں میں اپنی خدمت بھی پیش کی، مگر اس نے بڑے احسن طریقے سے انکار کر دیا۔ کہتا ہے اب ویسے اس کے مالی حالات اچھے ہوتے جا رہے ہیں، مگر اب وہ بھی بیوی کو واپس لانے پر راضی نہیں، کہتا ہے جس عورت نے مصیبت میں ساتھ دینے کے بجائے ساتھ چھوڑا، اور اس کا ہونا نہ ہونا اس کے لیے برابر تھا، تو اس کو واپس لا کر کیا کرے گا۔ ہم نے پوچھا اور بچے، سر جھکا کر کچھ دیر سوچتا رہا پھر جیسے دل پر پتھر رکھ کر بولا، میں ان کا مجرم ہوں پر اب انکی قسمت۔

اب بھی ملتا ہے اکثر، اور سوائے ہم جیسوں کو کہ جن کو اس کے المیہ کا پتا ہے، کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا کہ اندر سے اس کی روح کتنی زخمی ہے۔ پر شاید اور پھر ایسے چھوٹے موٹے ذاتی المیوں سے تو یہ دنیا بھری ہوئی ہے۔

علم دین کا المیہ پارٹ 2

4 اپریل، 2011

قسم: علم دین

آج ہمیں علم دین ملا تھا۔ ہم نے اس سے کہا، جناب تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے، آپ کیا کہتے ہیں۔ کچھ دیر سر جھکا کر بیٹھا رہا پھر کہنے لگا، اگر آپ کو آپ کی بیوی ایک دن ناشتہ نہ دے کہ اس دن ناشتہ اس نے منگوایا ہو، یا دو دن تک آپ بخار میں تپتے رہیں اور کوئی آپ کو پانی بھی نہ دے تو آپ کیا کریں گے۔ ہم چپ رہے، ہم نے اس سے کہا ہمیں چھوڑیں یہ بتائیں آپ نے کیا کیا؟ کہنے لگا مصیبت میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے ہم نے صرف صبر کیا۔ اور اس دن کے بعد سے ناشتہ باہر آپ کے ساتھ ہی اسی پٹھان کے ہوٹل پر کرتے تھے۔ اور رات کو اپنا کھانا ساتھ لے جاتے تھے۔ صبح اس وقت تک خامخواہ میں بستر میں لیٹے رہتے تھے جب تک زوجہ محترمہ اپنے کام پر چلی نہ جاتی۔ ان کی زوجہ محترمہ کسی اسکول میں بچوں کو پڑھانے لگی تھیں۔ اور واپسی کا تو آپ کو پتہ ہی ہے یہاں کام سے فراغت ہی 11 ساڑھے گیارہ تک ہوتی ہے، تقریبا 12 بجے گھر واپسی ہوتی تھی۔ والدہ محترمہ یا بہن دروازہ کھولتے تھے۔ زوجہ محترمہ سو چکی ہوتی تھی۔ شروع میں ایک آدھ دن ٹھنڈا سالن میز پر ٹھنڈی سوکھی روٹی کے ساتھ پڑا ہوتا تھا، پر جب سے ہم اپنا کھانا خود لانے لگے بعد میں وہ بھی نہیں۔ کھانے کے بعد ہم اپنے برتن خود دھو کر سوتے تھے ۔



ہاں اس دن کے بعد سے ہم نے ہر کسی سے بات چیت بالکل بند کر دی تھی اور ہم سوچنے لگے یہ انسان کیا واقعی اتنا صبر والا ہے۔ شاید اپنے آپ کو بند کر کے اس نے سب کے ساتھ ظلم کیا، عورت توجہ چاہتی ہے، جو اس نے دینا بند کر دی، اور پھر شاید سارے دروازے بھی بند کر دیے، دروازے کھلے ہوں تو راستہ بنتا ہے، ورنہ پتھر کی دیوار سے تو صرف سر پھوڑا جاتا ہے۔ مگر جب تک ان کی زوجہ محترمہ کا رخ سامنے نہیں آئے گا، کیا کہیں ہم چپ ہو گئے، اور علم دین سے کہا چھوڑیں چائے ~~سی پلیں~~ ، پیسے ہم دیں گے اور علم دین معنی خیز ہنسی ہنسنے لگا۔

نوٹ یہ واقعات 2008 کے ہیں اس کے بعد کئی دفعہ علم دین سے ملاقات ہوئی ہے جس کا احوال آگے بتاتے رہیں گے۔

علم دین کا المیہ پارٹ تھری

6اپریل،2011

قسم:علم دین

علم دین آج زیادہ پریشان لگ رہا تھا۔ کریدنے پر بتایا دو مہینے سے اوپر ہوا، اس کی اپنی زوجہ محترمہ سے علیحدگی ہو گئی ہے۔ کمال کا آدمی ہے، آفس میں کسی کو پتہ ہی نہیں چلا اور آج بھی کریدنے پر ہی پتہ چلا۔ دراصل معاشی مجبوریوں نے اس کی بیوی کو بھی ایک سکول میں نوکری کرنے پر مجبور کر دیا تھا، اور بقول علم دین کے اپنا پیسہ ہاتھ آنے پر اس کی نظر میں علم دین کی قدر روز روز کم ہونے لگی۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ علم دین کو کہ جس کے ساتھ اس کی 22 سے 23 سال کی رفاقت تھی کو ایک گلاس پانی بھی دینے کو روادار نہ تھی۔

علم دین بتا رہا تھا، چار مہینے پہلے جب وہ بیمار پڑا تو دو دن تک اکیلے ہی کمرے میں بخار میں پھونکتا رہا، اس کی بیوی اور بچیوں کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اس کو پونسٹان یا ڈسپرین کی گولی ہی دے دیں۔ علم دین کبھی کبھی بزدلی کی حد تک شریف ہو جاتا ہے، ہمیں غصہ آ رہا ہے علم دین پر بھی اور اس کی زوجہ پر بھی۔ پیسا 22–23 سال کی رفاقت کے بیچ کیسے آ گیا۔ ہم نے علم دین سے پوچھا اس نے اپنی بیوی کو سمجھایا نہیں، کہنے لگا، آگے ساس صاحبہ بھی تھی، انہی کی شے پر یہ سب کچھ ہوا، آخر اب ان کی بیٹی اپنا جو کمانے لگی تھی اور ہم سوچ رہے تھے، کہتے ہیں، میاں بیوی دو گاڑی کے پہیے ہیں، عمر بھر کا ساتھ ہوتا ہے اور یہ ساتھ اچھے وقت کا ہی نہیں، برے وقت کا بھی ہوتا ہے، حالات پر بیچارے علم دین کا کیا قصور، محدود آمدنی ہے پر پھر بھی 20–22 سال تک تو اس نے ہی کما کر کھلایا تھا نا۔ اب اتنی مہنگائی ہو گئی ہے تو اکیلی جان پانچ جانوں کا خرچہ نہ اٹھا سکے اور مجبوری میں کام کرنا پڑا تو اس میں بیچارے علم دین کا کیا قصور۔



آٹا، دال، چاول، چینی، بجلی، پانی، کرایا، گیس، کپڑے ہر چیز کو آگ لگ گئی ہے۔ گو ہمارا سیٹھ ایک انصاف پسند آدمی ہے اور وہ وقتاً فوقتاً تنخواہ میں خود ہی اضافہ بھی کر دیتا ہے۔ پر اس کی بھی ایک حد ہے، اس کی اپنی آمدنی بھی تو حالات سے متاثر ہوئی ہے اور اب وہ آمدنی بھی تو نہیں ہوتی نہ، پھر وہ بھی اس مہنگائی سے اتنا ہی متاثر ہے جتنے کہ باقی لوگ، بلکہ وہ تو شاید کچھ زیادہ ہے کیونکہ اس کے تو اسٹیٹس کا معاملہ بھی ہے، پھر بھی اپنے طرف سے انصاف کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چھوڑیں اس کو، علم دین بیچارہ جانے کیسا وقت آگیا ہے یا بعض عورتوں میں کچھ کمی رہ جاتی ہے کہ اس کی زوجہ نے اپنی ذاتی آمدنی شروع ہوتے ہی اس طرح آنکھیں پھیر لی۔ پھر علم دین خود ہی کہنے لگا، دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا، ابھی گھاٹ پر دھوبی کے ساتھ ٹھنڈی چھاؤں میں درخت کے نیچے بیٹھا ہے، آس پاس پانی بھی ہے، دھوبی بھی اپنے کپڑے دھونے میں مصروف ہے، سو کسی کو احساس نہیں، جب دن ڈھل جائے گا اور گھر واپس آنا پڑے گا، تب پتہ چلے گا۔ ہمیں علم دین کی یہ بات اچھی نہیں لگی، کسی کو اس طرح کتا نہیں کہنا چاہیے، پر ہم سمجھ سکتے ہیں دل جلا ہوا ہے۔

نوٹ یہ ستمبر 2008 کی تحریر ہے۔

علم دین کا المیہ پارٹ 4

17 اپریل، 2011

قسم: علم دین



علم دین ملا تھا ,اکیلے چائے پی رہا تھا ,کوئٹہ تلاش ہوٹل پر۔ ہم بھی ساتھ ہی جا کر بیٹھ گئے ، چائے منگائی اور حال چال پوچھا، اسے علیحدہ ہوئے ہوئے آٹھ سال ہو گئے اور ہمیں تنہا ہوئے ہوئے دو سال۔ کہنے لگا سنا ہے بس پردہ مسالحت کی کوششیں ہو رہی ہیں یا تھی، وہ ابھی منظر نامے پر نہیں آئی۔ ہم سوچنے لگے پر دل کے شیشے پر پڑی دڑار، اب ہٹ نہیں سکتی، دل کے شیشے کا یہ بال ختم نہیں ہو سکتا اور جس شیشے میں بال آ جائے، اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوتا ہے۔ واضح رہے علم دین کی بیوی جب خود کمانے لگی تو علم دین کو چھوڑ کر چلی گئی، پھر کہنے لگا ایسے وقت بلکہ اس سے بھی برا وقت اس کے سسرال والوں پر بھی آیا تھا، بہو کے والد جو خرچہ بھیجتے تھے، اس سے ان کا پورا گھر چلتا تھا۔ شاید ہمارے پیسوں سے بھی کیونکہ ہم نے اپنی زوجہ سے کبھی باز پرس نہیں کی کیونکہ ہم پردہ ڈالے رکھنے پر یقین رکھتے ہیں۔ اس پر جھگڑے شروع ہوئے پھر ان کی بہو نے طلاق لے لی اور دو تین سال کی ایک بچی کو چھوڑ کر چلی گئی۔ بعد میں اس کی بھی شادی ہو گئی اور اب وہ اپنے شوہر اور دو بچوں کے ساتھ خوش ہے۔ پر جب علم دین پر کڑا وقت آیا اور اس کی زوجہ کو بھی معاشی محنت کرنی پڑی اور اس کی اپنی آمدنی شروع ہوئی، تو وہ علم دن کو چھوڑ کر چلی گئی۔ ہم نے آنکھیں نیچی کر لی، کیا بولتے ایسے لاکھوں نہیں تو ہزاروں ذاتی المیہ ہمارے آس پاس ہی بکھرے ہوئے ہیں۔ خود ہمارے بہنوئی پر ایسا وقت آیا، وہ امریکہ میں کسی مقام پر ہوتے ہیں، پر ہماری بہن نے اپنے زیور بھی بیچ دیے اور ان کے ساتھ ان کے اسٹور پر کام شروع کر دیا، ساتھ نہیں چھوڑا، اب وہ دوبارہ نہ صرف اپنے پیروں پر کھڑے ہیں بلکہ ڈیفنس میں ہزار گز کا بنگلہ بنایا ہے۔ امریکہ آنا جانا اب ان کے لیے ایسے ہے جیسے ہمارے لیے بس پکڑ کر عائشہ منزل یا حیدری آنا جانا۔

اللہ انہیں اور بھی برکت دے۔ پر علم دین، اس پر ترس بھی آتا ہے اور غصہ بھی۔ پر یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے کچھ زیادہ کہہ بھی نہیں سکتے۔ خاموشی سے اٹھ گئے اس نے اپنی چائے کے پیسے دیے، ہم نے اپنی راہ ہو لئے۔ اس کی کہانی ابھی باقی ہے، ہم صرف امید ہی کر سکتے ہیں کہ کلائمکس اچھی فلموں کی طرح خوشگوار ہو گا۔ پر زندگی فلم نہیں۔

علم دین

علم دین اکثر نظر اتا ہے پر جانے کیوں ہم اپس میں بات نہیں کرتے اج تو بہت ہی ٹوٹا ٹوٹا سا لگ رہا تھا کافی کمزور شیو بھی بڑھی ہوئی اور تھکا تھکا سا خاموشی سے چائے پی رہا تھا کپڑا االبتہ صاف ستھرے اور استری کیے ہوئے تھے نفیس انسان ہے پر اب یہ کپڑے اس پر ڈھیلے ڈھیلے سے لگ رہے تھے ہم ہمت کر کے اٹھ کر اس کے پاس چلے گئے اور پوچھا کیا حال ہے کہنے لگا ٹھیک پھر کچھ خاموشی کے بعد بولا ہماری دوسری بیٹی کی منگنی کر دی ہے ہم نے کہا مبارک ہو ہمیں ایسا لگا کہ اس کی انکھوں میں انسو تیر گئے ہیں کہنے لگا ہمیں بتایا ہی نہیں گیا ایسا لگتا ہے ہم اب ان سب کی زندگیوں سے نکل گئے ہیں ایسے کہ جیسے تھے ہی نہیں پھر اٹھا اور چلا گیا ہم لرز کر رہ گئے اتنا ٹوٹا ہوا انسان زندہ کیسے ہے واضح رہے علم دین اور اس کی بیوی میں علیحدگی ہو چکی ہے بیوی بچوں کو لے کر چلی گئی ہے اور علم دین ادھر ہی ہے ہے کیا بس ایسے ہی ہے اور ہم یہ پوچھنا تو بھول ہی گئے کہ اس کو کیسے پتہ چلا اور خالی خالی نظروں سے کوئٹہ تلاش ہوٹل میں لگے ٹی وی کے اسکرین کو دیکھنے لگے جس پر ایک نیا گانا دم مارو دم دیپیکا پدکون پر فلمایا ہوا چل رہا تھا اور وہ کہہ رہی تھی



"اونچے سے اونچا بندہ پوٹی پہ بیٹھے ننگا دم مارو دم"

یہ 23 مارچ کی تحریر ہے اج 26 اپریل 2011 کی ہمیں کسی ذریعے سے پتہ چلا ہے کہ علم دین کی بیٹی کی شادی غالبا 28 اپریل 2011 کو ہے اور وہ بدنصیب باپ اس کا کیا کریں

ILM DEEN : AGAIN

Last week I met that Beggar Contractor at the beach, with his Kid, he was using his own Kid as his" machine" ..but perhaps last week , the inner father in him woke up and he took his kid to beach , not as a machine / contractor …but as a father /son .. i don't know about them how they felt… the kid definitely seemed to have the time of his Life , so i guess his father too would have had a different experience , I for sure was filled with a sacred light of happiness… while coming back to my Khooli , I thought i saw Ilm deen … then wondered all the way back , where was he , how was he …and what latest on him…

Ilm Deen [fictitious name of a REAL person] , has been grinding his Life for the past , God knows how many years , I have seen a very healthy , upright , honest , likeable and always smiling and helpful person turn into a shadow of himself , right before my eyes within a few years

..he had an accident and that turned his life upside down , everyone started abandoning him , first his luck and with it his wealth , then his relatives , then his co-leagues , then his Wife and his children , then his brother , then his Parents , and the guy for no apparent fault of his own , getting burden after



burden of harshness on his shoulder … his is a very common story , spread all around us, yet we are immersed in our own world , don't' see it … perhaps there is no shock value in such stories , so we do not take any interest in it..

Any way … I was thinking about him … and two days later I did find him , sitting alone , like always on his usual place at his usual hotel , Quetta Talash hotel , there was a cup of tea in front of him … I approached him , we exchanged pleasantries and i sat beside him ., I had a long hard discreet look at him ,

trying to see any change ..Yes , his cloths were clean , well ironed and he was wearing them regally as always , don't know he has an air of regality about him , which would always remind me Henry Wotton's famous poem ,though often wrongly attributed to Lord Byron on the net We used to study at the same school…

…..

" …. this Man is free from Servile Bands
Of hopes to rise or Fear to fall."

Lord of himself, though not of Lands

and having nothing yet hath all ….".

…….

… this is something that is common between him and me, that's why i always relate to him, somehow……… I think ….!!



..anyway , I asked how is life …. and he in a nonchalant way said .. the same " Cruel " … then a hint of a sarcastic smile appeared on his lips , but he controlled it …

.. I kept silent …

..he too … we both remained silent for quite some time… then he said … you know , my brother too has cheated me . I kept silent. then he went on and said… My father gave my brother Power of Attorney to our house for Tax purposes, he was getting old, and i was not in Karachi, and there were some legal matters with House Building Corporation as well as other Utility companies, I did not knew it… you know I don't live at our house, just go in the night to sleep there, that all , …

Then one day he said., Pack up we are moving ..and then it revealed to me , that he has silently without telling anyone sold the house , my father and mother are in old age .and completely dependent on him , beside my mother too helped him , she was the one who gave him the Property documents , without telling anyone , not even my father … we knew only when , he told us to Pack ….

….and from a 634 Yards nice open air and good house, he moved us to a , what he says is 250 yards , but i figure it is hardly 160 yards with 90 yards out of 180 yards as his share for the shared parking house in Clifton

… my father, who is often not in his senses, somehow mustard courage and asked him, how has he sold the house, without telling anyone…??

… he did not answer that … he did not tell … for how much he has sold the house …and in how much he has bought that 160-250 yard thing …

all he said, whatever I got from the sale of that large house , all of it is used up in buying this crap …

… I was shocked …. it hit me like a hammer, so the homeless guy was homeless again…. , I looked up to him …and asked , why didn't you did anything….

..he remained silent …. silent for a long time… then said… for whom … should i do any such thing ? … I have no nothing, no family, no home, …even my mother always sides with my brother, and for whom should now I do any such thing….

.. I said for yourself, or for you parents…!!

he said, Parents…? i am a realist … in my present situation all I need is one dingy mattress to sleep on … I earn my own, am not burden on any one, my wife has left me, and me with working all day out, I cannot take care of my parents…. at the moment its him who keeps them, feeds them, .and take a bit of care of them …. yes, this is life …. he found the opportunity to strike and he did…. this is the price he has extracted ….!!

…then before i could say anything… stood up and went away ……

..and All i could do was ………….. Nothing .. with lots of unanswered question, crawling all over in my mind and hammering it for an answer

Aaah Ilm Deen Again…



its after a very long time I saw him… every time I see him, I get depressed …it is depressing to see him suffer and suffer and suffer without any respite for God knows what… !!
…. I have heard, he is being cheated by his brother and big time… see their father for some reasons gave the power of attorney to his younger brother for legal reasons… as Ilm din had moved to Lahore and was not here… and there were legal matters regarding the Loan on their house, so his brother was given the power of attorney …

….now years later , about two three months ago… his brother on that power of attorney sold the house … and brought a new one at a new location and had it transferred in his name….

Ilm Deen we know is living a nearly broke existence … barely surviving on his own on daily wages…so

..then there is another real problem… the Mother and the father…. at the moment his brother is keeping them …. though in a small dingy room and giving them what he calls meal …and a shelter… Mother and Father are not in a state to suffer .. father nearly out of his senses…and mother old, fragile and weak…
..this is the main point on which his brother is blackmailing and browbeating without any regard… Ilm deen cannot take them with himself….as he does not have a home… Wife and Children have left him … and nobody really cares about him or his whereabouts and how is he living .. and in what condition … all his friend has proven to be fair weather friends only… Me too… though have tried to help him …But I have my own limitations … I myself am a lone man …. and he has Flatly refused any of my what little help I have offered him …its his pride ..his Ego … which he calls his principals…
.. Ilm deen spends almost all of his time outside …even when he is jobless. he will often sit at some bus stop ..for hours

…and then late at night would go to the small dingy room ..his brother has given him to spend the rest of his life…

He cannot take any legal actions against his brother for two reasons… one ..he is broke and cannot afford the lawyers' fees…for now and for later perusal , as we all know such cases drag on for years and years and years… and are not given justice ..except to those who can buy Justice.

…This is a Real life unfolding story ..

PS : His mother died on 30 Oct 2017

Ilm Deen ka Almiya part 5

A couple of day back , met Ilm-deen again , he is now a skeleton of what he was , his shirt and pant appeared loose on his once athletic figure . there were dark spots around his eyes , and was obviously in a depressed state .



he looked at me, empty mindedly, perhaps not even recognizing me , I went over to his table at the usual Quetta Talash Hotel , where I would see him often , sat beside him and asked him how he was …

his empty eyes , looked at me as if trying to remember , then a little glint of recognition and in a voice which did not revealed his inner state , cordially asked me to sit …..then without asking me , …ordered a cup of tea ….and just stared at me …without saying anything …

I asked him how he was, and he without hesitation as if mechanically answered he is alright and in the same breath asked about me ….

Actually I had heard a news , a news about his third daughter getting married , I was wondering whether he knew it or not , for he did not knew , or probably he was not told ,when they married Off his second daughter , and when I told him about his second daughter's marriage , …………his eyes went blank ..and a small tear appeared in some corner of his eye …said nothing , …gulped his tea and stood up and just went away …. with as straight and upright as one can be……but when he was outside the Hotel …. his shoulders and head dropped he walked away ….. as a broken man….

It pained me ….so now with the news of his third daughter too getting married, and finding myself again in the same position ….. of that a messenger of doom …. I could not muster courage …. all I could do was ask him again …how is he…...?

He sensed something in my voice ….and just looked at me …. first empty mindedly …then a shadow came into his eyes, his whole face depicted a pang of pain , no it became the pain itself, eyes dropped ….and he stood up …. stood there for an eternity …. shoulders dropped ….so did his head, turned around ..and started walking toward the door .



then stopped, turned back to me……and looked at me hard ……and murmured …..' so they have married away my daughter ….' …..!!

a wave of fear, went through my spine …. sort of a jolt, and I too stood up ….and just kept looking at him …a ragging storm filled my head, I felt paralyzed, a small bead of sweat must have appeared on my forehead, for I have not told him anything, not even a hint , …. he must have seen them ….for a wry cruel smile came onto his lips …. he just nodded his head as is he understand, then with a twist of face …. just turned back and walked out ….

I went after him, and saw his shoulders straightening and his head raised again, as if with an effort he is trying to control his inner turmoil ………and then he melted into the surrounding.

I just stood there …..that night I cried , I cried so much that my pillow was soaked in my tears….

Aah Ilm-deen … when will his miseries end, and for why God , if any such thing exists , is torturing him

why …why why….? and i have no answer

Various Colors of JUGNI



Punjab the land of the Sufis, the land where its Heer, Sahiban, Sohni, not to mention Dani Jatti, or even Princes Niwal Das, all female characters and the list goes on and on, make the folk lore.

Where Waris Shah and Bulley Shah dominate, along with Data Ganj Bakhsh, then there is Mian Mir, Baba Farid, or transcending the boundaries of religion, Guru Nanak or/and Guru Gobind Singh.

Enter Jugni, an entirely revolutionary genre of music, never ever seen in any other culture. Jugni is a narrator, a female who wanders through various lands and then sings her observations and comments about the land, the people and the events she sees.

Punjabi music is Unique, not only for its inspiring lyrics and feat thumping beats, but also for the variety in its genre, Like Dhola and Mahiya, so is Jugni , Jugni literary means " Female Firefly "

Jugni was perhaps a character from folk story perhaps a heroine from Jugni-Rawal…it emerges from the Syncretic spaces of Punjab, a lover in search for her love , for according to Jamil Ahmed Paul , this Mutiyaran became a Joggan and then Jugni

Its Popularity is attributed to two Singers Bhishna and Manda , but it actually emerged much earlier, and there are links to its being a resistance poetry earlier , just like Bhishna and Manda later turned it into. It is said during the rebellion of 1857, rebel soldiers going from Jehlum to Sialkot , they fought against General Nicolson's army , and crossed " " Bastar " and "Jugni of Gadar " was probably the first Jugni sung in praise of those resistance soldiers

Meri jugni da dhaaga ik *ais ney phaDh layii hath vich itt* *maarey wereyaan sey sar khichh* *O bhai mereya jugni o!* *O sher mereya jugni o!* *Meri jugni dey dhaagey do* *saadey seenay andar lo* *hunn jo hoye so ho* *O bhai mereya jugni o!*	*farangi nahin kissey dey yaar* *aes nu khichh key neeza maar* *O bhai mereya jugni o!* *O sher mereya jugni o!* *Meri jugni dey dhaagey punj* *gorey gaye bister lungh* *saadi sadaa hoye gi jung*

O sher mereya jugni o! *Meri jugni dey dhaagey tin* *tuun gorey ley hunn gin* *naaley haarH tey naaley sin* *O bhai mereya jugni o!* *O sher mereya jugni o!* *Meri jugni dey dhaagey chaar*	*O bhai mereya jugni o!* *O sher mereya jugni o!*

Jugni,is an entirely revolutionary genre of Punjabi music, never ever seen in any other culture. Jugni is a narrator, a female who wanders through various lands and then sings her observations and comments about the land, the people and the events she sees.



It always starts with

Jugni ja vari / ponhncheey …Calcutey

Jugni ja vari / ponhncheey …Lahore

Jugni ja vari / pohuncheey …Ludhiyaney….

…etc… As Jugni reaches any specific place…she sings her observation / experience

But as I said earlier , its actual roots are in resistance , it all started all over again ,when during 1911, The Delhi Darbar , The Darbar of 1911 marked the succession of King George V , and there were a lot of celebrations , it is said and as part of celebration, a torch was Sent to the various parts of the British dominion, including India., some claim this as Jubilee celebrations , and this Jubilee became Jugni ,but as we have seen its not so ,now enter Bhisna Jutt and Mohammed Manda of Hasanpur, Thana Vairowa , two singers who went along these celebrations and use to sing in the Melas of these celebrations

Jugni is a genre of Music unique to Punjab and Punjabi music , and amazingly its origin are in resistance , not just love and folk lore ..

Though the legend has that it too started with the same love and separation story of a young Punjabi girl, who separated from her love and went in search for him, and became a Jogan , sadly she never found him , but this lead to the creation of this Unique genre of Jugni , for according to Jamil Ahmed Paul , this Mutiyaran became a Joggan and then Jugni

Where Jugni is the narrator and sing whatever, she sees or feel about any event, place or anything.

the next link is about it being related to resistance and revolution, it is said, during the rebellion [1857…??]

rebel soldiers going from Jehlum to Sialkot , they fought against General Nicolson's army , and crossed " " Bastar " and "Jugni of Gadar " was probably the first Jugni sung in praise of those resistance soldiers

Meri jugni da dhaaga ik
ais ney phaDh layii hath vich itt
maarey wereyaan sey sar khichh
O bhai mereya jugni o!
O sher mereya jugni o!
Meri jugni dey dhaagey do
saadey seenay andar lo
hunn jo hoye so ho
O bhai mereya jugni o!
O sher mereya jugni o!
Meri jugni dey dhaagey tin
tuun gorey ley hunn gin
naaley haarH tey naaley sin
O bhai mereya jugni o!
O sher mereya jugni o!
Meri jugni dey dhaagey chaar
farangi nahin kissey dey yaar
aes nu khichh key neeza maar
O bhai mereya jugni o!
O sher mereya jugni o!
Meri jugni dey dhaagey punj
gorey gaye bister lungh
saadi sadaa hoye gi jung
O bhai mereya jugni o!
O sher mereya jugni o!

But it were Bhishna and Manda who popularized it, they were actually following the British Coronation celebrations probably of 1911.?? , soon they separated themselves from the official celebration and started singing revolutionary ideas and used it for the criticism of British Govt , This did not go well, with the British Government and at Gujranwala on charges of rioting both of them were imprisoned. History has, they were killed during police interrogations and torture

here is an example of their original verse

Their one original 'Jugni-verse' is like this:

Jugni jaa varhi Majithe
koi Rann na Chakki peethe

Putt Gabhru mulak vich maare
rovan Akhiyan par Bulh si seete
Piir mereya oye Jugni ayi aa
ehnan kehrhi jot jagaee aa

Initially because of it being in Punjabi, British could not understand it, but soon realized what was happening so they were banned them from performing in these Celebrations, but Bhishna and Manda started following the celebration but performing at some distance from the official celebrations , where people started to talk openly about the British atrocities , thats when they were charged ,imprisoned and then tortured to death

Today Alam Lohar and his son Arif Lohar are credited with the revival of this unique genre of Punjabi music, which had a short span from 1911 to 1950's.

Alam sang the first Jugni on PTV and then in a Film, making a remarkable comeback for this special genre of music. It got its sufi/religious angle when Alam Lohar included the "Naam Ali da Leyndee aa " in it … but its not confined to religious angle only

, though honestly Alam Lohar was not the only one , nor the first ,

Here is a" Mohammadi Jugni " by Haji Charagh din Jokhiawala …Here is an example my late mother gave me

Jugni ja wari Multan

Othey waday waday pehlwan

Marran mukk tey Kadhan Jaan

Here is another example …

Jugni jaa varhi Ludhiane
Uhnun pai ge Anne Kaane
Maarn mukkian mangan Daane
Piir Mereya Oye! Jugni kehndi aa
Jehrhi naam Ali da laindi aa

the beginning of 'Jugni' always remained in some city or place:

Jugnis are written on every aspect of Life.

Here is an example of Jugni sang during Indo-pak war of 1965

Veer mereya O jugni kehndi aey

Jugni diyaan gallaan sachiyaan nay.n
Ghazi diyaan shanaan uchiyaan nay.n
BaazaaN nay chiRyaan buchiyaan nay.n

Veer mereya O jugni kehndi aey

Eh Jugni Pakistan di aey
Eh rajj ke mojaan maan di aey
Eh haami pak Quran di aey

Veer mereya O jugni kehndi aey

Eh Jugni lakh crore di aey
Eh dushman da sirr torr di aey
Kaafir da beda bod di aey

Here is an example of Jugni used as a satire

Jugni jaa waDi madrassay
'muNDe chukk kataabaaN nasse'
Munshi raah vich tanbaa kassay
O veer mereya jigni o!
Jugni jaa waDi si Rohi
JuttaaN phaD suhaagay joi
othey ro ro kamli hoi
O veer mereya jugni o!
Jugni jaa waDi phadHaney
adhay ganjey andhay kaaney
sirroon nangey pairoon langHaaney
saayn mereya jugni aDey paii
dehooN chaDey tey kalma paDey paii

Kya sohni jugni aeh jag tuuN niraali
Rab ney banaya tainuuN umtaaN da waali
tere dar tuuN muDey nah koi khaali
kaali kambli tey soorat muzammali
nah jaye sathooN sumbhli
Nabi ji mere jugni, Nabi ji meri jugni

Now Jugni is not just a Tappa genre, it's a completely new form

Then it was Salem Javed, who re-revolutions it when he sang the Techno version. Since then, it has not looked back.

Lately, it is Rabbi Shergil of the "Bhulla Ki jana men koun "fame, who sang a beautiful Jugni , and its Rabbi's Jugni which shows the revolutionary and political color of Jugni , he sang that with reference to Kashmir. And last but not the least, the filmi comeback of Jugni, as sang by Harbajan Man

I have used various sources and am especially in debt to Mr Shiraz Hasan

https://kafila.online/2011/05/07/who-killed-jugni-shiraz-hassan/

Also someone who writes with the pen name" Kudi Nepal de "

http://punjabijanta.com/lok-virsa/the-history-of-jugni-76669/msg810528/?PHPSESSID=lsiff8dcgnbgl66gmhuca80ok5#msg810528

and to some extent

https://www.desiaustralia.com/the-origin-of-jugni/

beside my own earlier post .

Here are some links to various redention of Jugni on YouTube

Alam Lohar on PTV

https://www.youtube.com/watch?v=OaibX96TF28

Alam Lohar in a Filmi song

https://www.youtube.com/watch?v=PWj9LAKU6as

Saleem Javed's techno version 1993

https://www.youtube.com/watch?v=kLIQyft9lFg

Arif Lohar's original Jugni

https://www.youtube.com/watch?v=He3STXRrJEU

Arif Lohar with Mukhtar Sahota

https://www.youtube.com/watch?v=wHJ5VJGZ3Kw

Arif Lohar and Mesha Shafi the most popular Jugni redention till now

https://www.youtube.com/watch?v=gjaH2iuoYWE

Rabbi Shergill Jugni in context of Kashmiri resistance

https://www.youtube.com/watch?v=_BwOmHIbv-E

Jugni in the Film Cocktail

https://www.youtube.com/watch?v=x_NoA_Fp2Rc

Jugni in Film Oyee Lucky Lucky oyee

https://www.youtube.com/watch?v=PDfz-bPwGdg

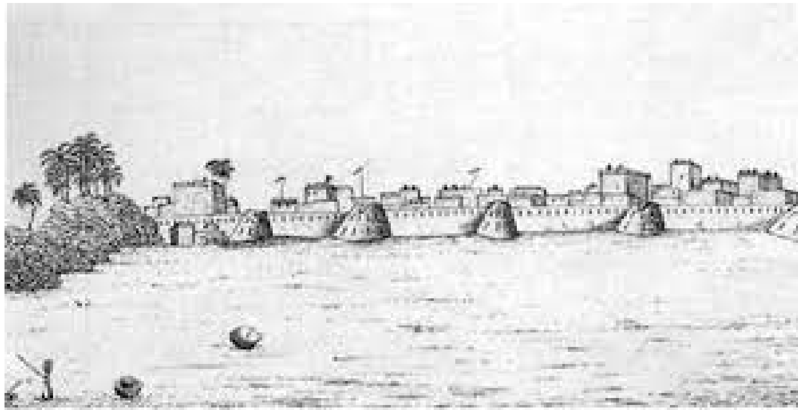
Jugni in film Tanu Weds Manu

https://www.youtube.com/watch?v=6ZnnjW6Jj1g

Conclusion

Let us appreciate the diversity of cultures in our beloved Pakistan by acknowledging the diversity of the people living in it

History of Karachi



Did you know, before 1839, Karachi was the main port for the thriving Slave trade in this part of the world.? Though the main market was Hyderabad ...!!

Most imported slaves were of African origin called Sheedis. A better class came from Abyssinia called Hubshees. 75 percent of imported slaves were females. Price ranged Rs 60 to 250.

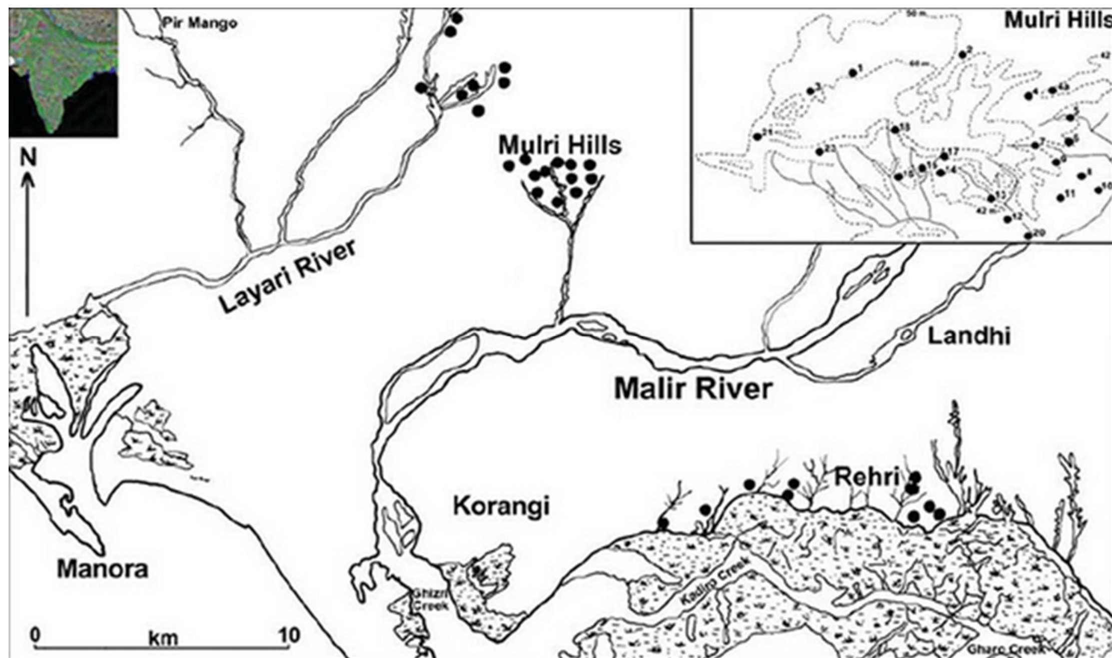
The story starts when Nearchus, Navarch of Alexander built a fleet at Jhelum River to navigate the Indus, though he was not the first as Scylax on the order of Darius the great has earlier done so, during its retreat, some of the ships were damaged. It is said, he reached Morontoroba [present Manora Island] and did the repair work there, that was in 326 BC, but the story of Karachi does not start from there, according to Hindu Mythology, late Gul Hasam Kalamti told the audience at the Sindh Literary festival in 2016, that Ram and Sita on their way to Hinglaj [Baluchistan] stayed at Ram Jharokey [present Clifton] and also at Ram Bagh [present Aram Bagh], why they were going there is another story probably to cleanse themselves from the sins, but another story is to stop Mata Hanglaj from performing Tandava [dance of anger] she was angry because of some reason, and it was she who asked them to go back to Ram Bagh which after independence in 1947 has become " Aram Bagh " , where Sita became thirsty and put her palm on the soil and 5 wells appeared.

Anyway, it means the present location of Karachi was already important at least in Hindu texts. And according to historians, the area around Karachi has evidence of uninterrupted human existence since stone age

” We have an uninterrupted sequence of human occupation in the region of Karachi from the Stone Age

Dr Asma Ibrahim, SBP museum director, referring to history from 2.5 million years ago

Evidence of such existence were discovered at many a sited, especially in Gadap and Malir Area, also Mulari Hills



Even in Gulistan-e-Jauhar, megalith structures and prehistoric tradition funerary monuments for dead ancestors were found by the researchers of Dept of Geography KU, but as soon as the plot owners realized this, the immediately constructed their constructions so as to avoid losing their investments in Plots to National heritage cause.

The next we know of Mohammad bin Qasim’s invasion 712 AD, but probably he attacked Bhambore not Karachi, and Arabs stayed here for nearly 300 years, it is said Debal or Karachi or Bhambore which ever it was a pretty busy and populous city. It was destroyed perhaps during to an earthquake / Tsunami in

893, Arab Caliph MutasimBillah had its destruction recorded, and accordingly nearly a Million people perished with just 400 or 4000 or so remaining.

In Suleiman al Mahri's Sea maps (1511), it is identified as Ras al Karazi", or" Ras Karashi, a similar reference is found in Sidi Ali Reis's (an Arab Navigator and Commander in Ossmanian troops) map MUHIT.

Karachi has been known by many names, like Krokola, Barbarikon, Nawa Nar, Rambagh, Kurruck, Karak Bander, Auranga Bandar, Minnagara, Kalachi, Morontobara, Kalachi-jo-Goth, Banbhore, Debal, Barbarice, and Kurrachee.



Talpurs ruled Sindh from 1783 to 1843, before them it was Kalhora dynasty which ruled here from 1701 to 1783, before losing the battle of Halani in 1783.

Earlier Kalhoras in a skirmish with the Khan of Kalat, killed his brother, and it was given as blood money to the Khan of Kalat, later Talpurs wrestled it back from them in 1795

Karachi's formal recognition starts from 1729 , Bhojomil ,great grandfather of Seth Naomal Hotchand , who in his memoirs recalled the history , says Bhojomil was a big trader of his time , their family moved from Sehwan to Kharak Bander , a small port at the edge of Hub River ,use to trade as far as Muscat and Oman , so when due to silting that port became redundant , he sent his men to search for a new location , they reached a place known as Darbu , near Kolaci jo goth , it was on a small mound , so they reached there and constructed a small fort ,with two doors , one opening toward sea , they called in Kharadar, and the



other toward Hub river , and they called it Methadar , also installed a small cannon which they bought from Muscat.

Ports on the creeks are called Bandars, Keti Bander, Hawa Bander, Kharak Bandar, Jakhi Bandar, Shah Bander, Lahori Bandar to name a few, it was from Kharak Bander from where these traders shifted to Darbu and created a settlement which later became Karachi, Mai Kolachi jo goth, was not in Karachi, it was at some distance from it, probably somewhere between the now Beach Luxury Hotel and Boat Basin, though no remains of it are found.

Bhojomal died in 1782, the same year, Talpurs defeated Kalhoras, they sent two armies to take over Karachi, but were defeated, then they sent a strong 20,000 men army, with a message the Khan of Kalat has been defeated and he can no longer protect you, on this Seth Daryanomil the head of their clan, gave them the keys to the city, with the condition that Governor will not rule without their consultation

In 1815 four sons of Seth Bhojomal separated their businesses.

British already had Factories at Thatha, by 1615, to export textile to England from its port LahriBandar, but it was not a profitable venture hence it closed in 1662.

When East India Company became a political power in India, it again opened its factories in Thatta and Karachi in the year 1799. But when Sindhi merchants opposed the establishment of factories in Sindh, the local government closed them in 1800.

British finally succeeded in annexing Sindh by 1843 .in the meanwhile Naomal successfully established beneficial relations with the British, and he always sided with the British, that is why he is even called traitor of Sindh, Talpurs were always weary of the British, during 1838-41, tensions between the two were considerably raised, the reason was the raising prices of grain. due to his purchases, he was put under a lot of pressure by the Mirs and the local population to stop

A very interesting incident happened during these days. Sadar bazaar in Karachi was established. Local traders were given tax

amnesty as this bazaar was for the British. The Talpurs pressurizes the traders not to open shops as this amnesty was hurting their revenues. When the British learned this, they sought the help of Naomil who opened various shops and buildings in that area. Mir Nasir Khan, the Talpur ruler was infuriated and ordered Naomil's arrest. However, the British forced the ruler take back his order.

On February 16, 1843, the Talpurs decided to invade the British camp and take over Karachi. However, this news was broken to the local population so they can save themselves. Naomil told this news to Captain Preedy, (the Preedy lane fame) the local commander of the English forces. He took him to the local Talpur representatives, took them along with him to the parade ground near the Jodia Bazar or perhaps it was Khori Garden. He took down the Talpur flag and hoist the Union Jack and told them in certain terms that Karachi is now the under the rule of the British. Since 3 Feb 1939, when HMS Wellesley took over Manora fort, and then the Battle of Miani 17 February 1843, now the whole of Sindh including Karachi was under British control, and that changed the fortune of Karachi in no uncertain terms. General Napier recognized the Importance of the port of Karachi, especially in view of the Hostile Anglo-Afghan relations and subsequent Wars, Karachi became a major supply port, there is a Railway line still in existence from Karachi to Torkham, as a part of Great Game strategy.

Subsequently it was merged into Bombay Residency in 1843, till 1936 when it was separated from the Bombay Residency and became Sindh again

Karachi did not just have military importance viz a viz the Great Game, but was the major exporting port of grain by 1914, and had started to take its cosmopolitan shape. Its Importance grew when Suez Canal was opened in 1869, but before that in 1867 British spent 250,000 Pounds on the construction of its port.



Karachi was trading with the world , Standard and Chartered Bank has been operating here since 1863 , so was Lloyd , it soon became a multi-cultural and modern city ,by 1820 it witnessed influx of Goan Traders , by 1844 there was a Parsi influx and they are the real builder of Modern Karachi , in the early , in 1844, that Hormusjee Dadabhoy Ghadially had become the first Parsi to build a home in the city and by 1849 it had its own "Agiary" or the fire temple , the HJ Behrana Dar-e-Mehr ,which still exists near Empress Market Karachi

Since it became a major grain export port, there was a lot of influx from Punjab including Sikhs, arhatis came here and settled especially in the present Jodia Bazar, near Achee Qabr and Bhagnari Street. Sikhs were rich, there residencies were near Soldier Bazar and at one time they had some 5-6 Gurdwaras, including two at Manora, Rattan Talao, Guru Mander, one in the Swami Narrain Hindu Temple across KMC building and one somewhere in Kharadar

It became a really cosmopolitan city, one could find Chinese, Goans, Anglo-Indians, Jews, British, Balochs, Punjabis, Kathwari's, Gujrati's, Marathi's, Kutchi's, Memons, Sheedy's aka Makranis, Malabari's, Sri Lankans, Europeans, Armenians, Lebanese even Africans, even in 1944 some 28,000 Polish migrated to Karachi after the War



Jews migrated from Iran in the 19th Century, their Synagogue, Magian Shalome Synagogue, established in 1893 existed at the intersection of Jamila Street at Racnchor Lines, until during Zia Era it was demolished and an Ugly looking Jamila Plaza took its place. Moses Somake's presence as Jewish architect is still all around in Karachi, from Merry weather Tower to BVS and Mama Parsi School, or Flag Staff House, they had a grave yard in Mewa Shah, it is said around 3000 lived in Karachi before 1947 and then gradually moved to Israel, especially during Zia's ERA



Karachi’s Municipal Committee (1850) that later became Municipal Corporation in 1933, construction of its present building was started in 1927 and completed by 1930, it was inaugurated in 1932

The first local government elections were held in 1884, but the first elected Mayor was Jamshed Nusserwanjee Mehta a Parsi in 1933, he is still remembered as “Maker of Karachi “or the father of Modern Karachi, earlier from 1918 till 1933 he served as the elected councilor.

Karachi was among the 5 or 6 Cities of Asia, where the then most modern mode of transport “Trams “were introduced, and by 1885 its tram service was fully functional and lasted till 1975, initially steam powered trams cars were used, but in 1886 they were replaced by horse driven cars due to the objection of noise by the local residents. but by 1909 they were replaced by petrol driven trams



Karachi played its part in the 1857’s resistance, and today, Empress market stands at the place where Ram Deen Panday was executed, along with 22 other freedom fighters, the market was constructed so that it does not becomes a rallying point or a symbol of resistance

1947 changed a lot, the influx of refugees from India, transformed its demography irreversibly and it though has become a mega city with multi-cultural presence, yet it’s

trapped in a very unfortunate ethnic distortion, that only compounded itself in the early 70's and 80's, when Iranian revolution and then Afghan War again negatively effected its demographics

It's a touchy subject, so I won't go there, and will conclude here.

Sources:

Google searches for

1-history of various ethnicities and nations (Jews, Parsis, Sikhs, Chinese, Goans, Polish, etc.) in Karachi

2- Kurrachee (*Karachi*) *Past Present* and Future by ALEXANDER F. BAILLIE

3-Ajmal Kamal's sahibs articles in Aaj on the history of Karachi

4-Memoirs of Hotchand

5-Various articles of Akhtar Balochs sahib and Kalamati sahibs in various publications especially in Dawn

6-Damohis sahib book on the history of Karachi

…and many more

Rambling of a Mad Man: Reshimo

Who are we? where do we come from? where will it end? ….and a lot of similar questions have been bothering mankind since the beginning of time.

No one knows the beginning, and we have only a hazy idea of how it will end., we started in the Middle and probably end in the middle, except perhaps the last generation which will see the end. So basically, we are clueless about the beginning as well as the end, except speculations about them, whether the begging is Bing Bang, or Adam and the end another Bing bang or Apocalypse

But I do know, there is or was or should be a creator at least as a beginning premises, some deny the existence of any such thing, other cling to it with all the possible believe they could find within themselves.

Here is what I think



Assuming there is a Creator, then we all are his creations, creatures. He created the Universe from his one spark of his essence

One spark of his essence, created the Universe.

..from it the soul was created , a creature by the creator . so that the creator can enjoy his creations.

Bestowal is the only quality of the creator, creature yearns to achieve that quality, so as he be the same as the creator. …. this yearning is the result of the fall of ADAM, and that fall is not just physical, its spiritual ….

…the lingering remembrance of his own exalted STATE, when he was in the essence of creator, is the force that creates the unsatisfactory state he feels, even if he gets all the world.

creature is unaware of that Reshimo , for that Reshimo is from a STATE which is beyond the physical or corporeal existence .

to recognize even the existence of such a STATE, creature has to find ways , to perceive the existence of the essence .

that's where creature's altruistic as opposed to Egoistic nature come into play.

All religions are restrictive, possessive and exclusive, spiritualism is not ….so spare me" The Religion" …. mine is bigger than yours is just rhetoric with ulterior motives. the result of which has colored RED the annals of history………. period.

. if you have the yearning to taste the bounties of HIS bestowal, then your heart is the gateway, it has a small door, a desire, based on the lingering remembrance of your own exalted state, find it …...!!
and ask for removal of those obstacles which are between your prayers and his bestowal.

Adam fell, because it crossed a barrier, the eating of forbidden fruit is allegorical, and the result is a spiritual fall.
the physical manifestation of which are we, …the carrier of empty vessels , yearning with the desire to fill it again with the bounties and bestowal of his essence , only we do not know .
Religions actually divert , …notwithstanding the claims of showing the true path.

had this been so, others who are outside the formal religion would not have achieved the exalted states, they did….

the search for truth, leads from your heart, not mind, mind seeks reasons and narrows you away from the truth.

the collective soul of the mankind, progresses in stages, the screens and the barriers are the cause of all that is evil, these screens and barriers are put there by the Egos. …the" I" 's the" We's " …..formal religion augment those I's and We's ….and trap you …in an illusion away from reality.

PS : Reshimo can be crudely understood as lingering remembrance of something

Rambling of a Mad Man: Who /What /Why...?



There was nothing but the Light, clear, pure light…. Creator perhaps got bored…he wanted to know about himself… for in the absence of” Difference”. you cannot know …for example you need darkness to know about light, lie to know about truth, white to know about other colors…etc.etc.etc…so you need” Difference” … so Perhaps he created a” Difference” to know about himself… and in creating the” Difference” a portion of light was displaced…. and in that displaced portion he created…what we know as” Universe” …all the Galaxies /planets/ life / different objects/ forces …both visible and invisible., the knowns and the unknowns. and then it created the” interplay” …the interplay between his creation …. and that is what propels the Universe…. the known as well as unknown Universe…
…and perhaps … in creating that” Difference” he has to use some of the” Soul”. the Soul of Universe…. the Soul which got corrupted … and now needs to be purified again….

Rambling of a Mad Man: Our Senses

Our perception of reality is what our sense of Perceptions tell us, there is no reality outside us, but within, There are realms, Physical realm, Spiritual realm and an Unknown realm, they are intertwined with each other at many layers and levels

The Mind is its own place, and in it self
Can make a Heav'n of Hell, a Hell of Heav'n.

—MILTON, *Paradise Lost* I. 254–5



we have 5 physical senses of perception [sight -/-hearing-/-taste-/-smell and touch] … though honestly we cannot see them… but they are our windows to the reality around us…
Imagine … a person having only three … let's say ..he does not have the sense of smell and sight… then if someone gives him something… say for example a Rose flower…. he would try to listen …but won't get a response… touch …and maybe the thorn will hurt… will try to taste…and gets a pungy taste….so he will conclude that it's something not good…then imagine ..his other senses…the senses of smell and sight are restored….
…he then smells…it smells good… his perception changes… and when he sees.. the beautiful flower… it completely alters…
…so the reality …changes… as his number of senses of perception changes…. think…if we had more than 5 senses… then what would happen…. of course…the entire reality will be altered….
…. now some say we have a sixth sense…. true…. I think … that sixth sense is the Lum sum of all the other unknown senses of perception. which we have …but for some reason …they are either not activated or not realized… or we don't know how to make use of them…



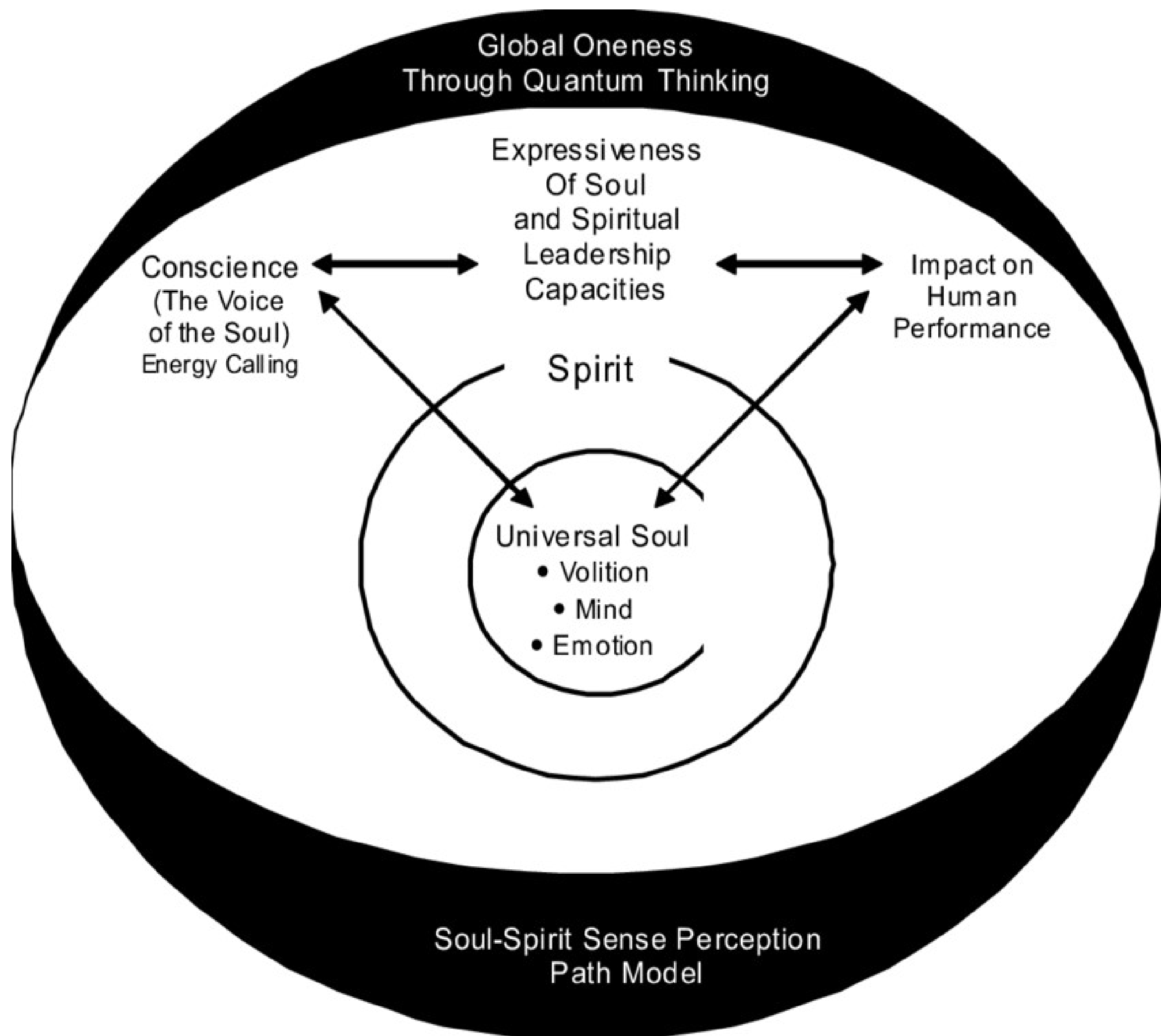
Rambling of a Mad Man: more on senses

The five senses, try to make sense of physical reality around us, but then it the mind, nothing happens or exists outside the mind, the information with all the limitations of these 5 senses are sent in the mind and then processed according to its tilt or bent, Egoistic or altruistic, and even then, it just relates to the physical apparent realm or reality.

> **“Just as in the body, eye and ear develop as organs of perception, as senses for bodily processes, so does a man develop in himself soul and spiritual organs of perception through which the soul and spiritual worlds are opened to him. For those who do not have such higher senses, these worlds are dark and silent, just as the bodily world is dark and silent for a being without eyes and ears.”**

But this physical realm is not just the only realm, there is a spiritual realm, with its own rules, laws, mechanisms in it, and yes we have the ability to perceive it too, because we have spiritual senses as well, just like physical sense of perceptions, and they are much more numerous, accordingly hundreds [613..??] . The difference, not all of them are activated or working , their working is different and need them to be activated ,once activated they change the perception of reality in the creature , take it to a higher level of consciousness at a higher plane of existence ,and it needs effort from the creature to realize them and then integrate them in his senses of perception , the

more the senses are awakened , integrated and activated , the more higher the level of consciousness of the creature , and once all of them are activated , then the creature reaches the state of fully realized SOUL , for these senses , spiritual senses are ladder to the SOUL , and helps it achieve reaching the ultimate level ,where it joins the Universal Soul ,



Perhaps, Budha achieved it, he called that STATE Nirvana, it must be noted Religion did not played any part in it.

Rambling of a Mad Man: Dreams



We exist at many layers of existence. the physical and the apparent one is the one which is all around us…
… but a part of us … traverses those layers….and is influenced by what's happening in those layers…. often those layers are invisible …
…Dreams are one of such means. [Our Imagination is the other] …. through which we Know that other such layers exist… its during dreams… we see and visualize often things … that would otherwise be hard to even imagine…
…my own take … Dreams a door…. a door where, various realms of existence converge… when we enter the dream world…what we see is real…. which often distorted ours. When we come out of the dream state…. like … when we wear glasses… we see what our vision shows us through those glasses…. for example, if we are wearing RED colored glasses… everything will appear RED … though in reality it might not be…. but for dreams it's not that simple it's not just the RED glasses…. it's the layers as well… which we cross while in the dream state… which each layer…. things get distorted according the properties of that layer…. so, when we come out of dream state…all we remember mostly are impressions…. not the real actual things we had seen in the dream state…
… i know its heavy … but think about it… and you will understand.

Rambling of a Mad Man: More on Dreams



During Dreaming we traverse the boundaries of Universe which are outside the normal Space-Time continuum … the ordinary laws of space time do not act there…. …Scientist who measure Dreams ..through various Physical instruments …are probably looking at the wrong side… though it too gives clues …
…but during dreaming …though a man is physically in this world…but ..somewhere in the mind it opens door …a door where probably .. he gets out of the box….and see thing in their actuality …now with no restriction or restrain on the laws following time-Space laws…he often sees the future as well as past or some other dimension or existence …..
…but then he is not physically present there…and his normal 5 senses are probably not working …so the information that his mind now gets from Other senses …which somehow get invoked or start working albeit temporarily … his mind infers the perceptions according to the physical program of his mind… his mind is not programed to understand all the new realities he sees or experiences now… ..then there is return back journey .. during which he has close too many doors. and with each door or perception closed again…he begins to forget. and when he wakes up……all that remains is a ‘ Reshimo ” …a lingering remembrance of what he saw… and often again wrapped behind the closed doors…
…as again all those senses of perception became inoperative…his minds fails to understand them .. ” the chip loses electricity …and all the info remains is just a distorted memory ..”





This man is free from Serville bands

Of hopes to rise or fear to fall

Lord of himself ,though not of Lands

And having nothing yet hath all